دین کیا ہے؟
اِسے کیسے سمجھا جائے؟

اِس کتابچہ میں اُستاذ محترم جناب جاوید احمد صاحب غامدی کی کتاب میزان کے پہلے مقدمہ 'اُصول ومبادی' کے اہم مباحث کو ضروری توضیحات، ترامیم اور اضافوں کے ساتھ عام فہم انداز میں سوال وجواب کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔

تالیف

عامر گزدر

المورد، کراچی

فسٹ فلور، سنو وائٹ چیمبرز، بہادر آباد چورنگی، بہادر آباد، کراچی

فون: 021-4858076-021-4942445

جملہ حقوق محفوظ ہیں

طبع اوّل______2004ء

طبع دوم______2005ء

طبع سوم______2008ء

ناشر: المورد، کراچی، فون: 0321-9232120

طابع: الائنس پرنٹرز، کراچی

تاریخ اشاعت سوم: مارچ 2008ء/ ربیع الاوّل 1429ھ

قیمت: 30 روپے

ترتیب

پیش لفظ (طبع سوم)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے جو قیامت تک انسانوں کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ تاہم قیامت سے قبل اس آخری دور میں ایک طرف دین سے دوری بڑھتی جا رہی ہے اور دوسری طرف دین کے حوالے سے بعض ایسے سوالات اٹھ رہے ہیں جن کا معقول جواب اگر نہ دیا جائے تو پڑھے لکھے لوگ خود مذہب ہی سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ یہ سوالات ایمان واخلاق سے لے کر فقہی مسائل اور فہم دین کے اُصولوں تک ہر موضوع پر محیط ہوتے ہیں۔ دورِ جدید میں جو سائنسی اور غیر تقلیدی مزاج عام ہوتا جا رہا ہے اس میں دین سے متعلق لوگوں کے سوالات کا معقول جواب دینا ایک ضروری کام ہے۔

زیرِ نظر کتابچے میں اسی آخری مسئلہ یعنی دین کو سمجھنے کے بنیادی اُصولوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ کتابچہ ہمارے دوست عامر گزدر صاحب نے، جو ادارۂ علم وتحقیق المورد کے استاذ ہیں، تحریر کیا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دین کیا ہے؟ یہ کس طرح ہم تک منتقل ہوا؟ اسے سمجھنے کے اصول کیا ہیں؟ قرآن، سنت اور حدیث کیا ہیں اور دین میں ان کا کیا مقام ہے؟

عامر گزدر صاحب کا یہ کتابچہ استاذ گرامی جاوید احمد غامدی صاحب کی کتاب میزان کے پہلے مقدمے 'اُصول ومبادی' کی شرح ووضاحت پر مبنی ہے۔ یہ کتاب ربع صدی پر پھیلی جاوید صاحب کی تحقیق اور سو سال قبل دین پر شروع ہونے والے اس کام کا نتیجہ ہے جس کا آغاز امام حمید الدین فراہی (۱۸۶۳ء-۱۹۳۰ء) سے ہوا تھا۔

عامر گزدر صاحب نے بہت عمدہ طریقے سے نہ صرف شرح ووضاحت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، بلکہ بعض بہت اہم اضافے بھی کیے ہیں۔ انہوں نے اس انتہائی مشکل فنی بحث کو سوال وجواب کے ایک آسان اسلوب میں ڈھال دیا ہے۔ اس اسلوب کی بنا پر جو لوگ دین کی بنیادیں سمجھنا چاہتے ہیں، اُن کے لیے یہ بہت سہل ہو گیا ہے کہ وہ سادہ زبان میں نہ صرف دین کو سمجھ سکتے ہیں بلکہ اپنے ان سوالات کا جواب بھی پا سکتے ہیں جو دین سے متعلق ان کے ذہنوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور دین کے فروغ کا ذریعہ بنائے،

آمین۔ **ریحان احمد یوسفی** (مدیر ماہنامہ اشراق، دعوہ ایڈیشن، کراچی) 1 مارچ، 2008ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دین

سوال۔ دین کیا ہے؟

جواب۔ دین اِس دنیا میں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔

دین فطرت کے حقائق اور دین وحی

سوال۔ اللہ پروردگارِ عالم کا یہ دین انسان کو کن صورتوں میں ملا ہے؟

جواب۔ یہ انسان کو دو صورتوں میں ملا ہے جنہیں ہم ’دین فطرت کے حقائق‘ اور ’دین وحی‘ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

سوال۔ ’دین فطرت کے حقائق‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ دین فطرت کے حقائق سے مراد اللہ پروردگارِ عالم کی وہ ہدایت و رہنمائی ہے جسے اُس نے انسان کے باطن میں ابتدا ہی سے الہام کر دیا ہے۔ اس میں وہ رہنمائی بھی ہے جس کا تعلق انسان کے علم اور اُس کے تصورات سے ہے۔ جیسا کہ ذاتِ خداوندی کا علم، توحید و آخرت کے تصورات وغیرہ۔ اور وہ ہدایت بھی جس کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے۔ جیسا کہ اُسے اُس کے جسمانی وجود کے بارے میں اُس کے پروردگار نے پاکیزگی اور آلودگی کا احساس دیا، کھانے اور پینے کے معاملے میں پاکیزہ اور ناپاک چیزوں کا شعور عطا کیا اور اُسے اُس کے اخلاقی وجود میں اچھے اور برے کا شعور بخشا اور اُن میں امتیاز کی صلاحیت عطا کی ہے۔ غرض یہ کہ انسان اِن تمام معاملات میں ابتدا ہی سے خیر و شر کا شعور رکھتا، صالح اور غیر صالح میں فرق کرتا اور پاکیزگی اور ناپاکی کا احساس رکھتا ہے۔ فطرت کا یہ الہام ہی وہ چیز ہے جس سے انسان اور دیگر حیوانات و مخلوقات کے مابین اصل فرق واقع ہوتا ہے۔

اس دین فطرت کا تعلق ایمان و اخلاق کے بنیادی حقائق سے ہے اور اِس کے ایک بڑے حصے کو

قرآنِ مجید ’معروف و منکر‘ سے تعبیر کرتا ہے۔ معروف سے مراد وہ باتیں ہیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور منکر سے مراد وہ باتیں ہیں جن سے فطرت انکار کرتی اور انہیں بُرا سمجھتی ہے۔ قرآن اِن کی کوئی جامع و مانع فہرست نہیں پیش کرتا، بلکہ اِس حقیقت کو مان کر کہ انسان ابتدا ہی سے معروف و منکر دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتا ہے، اُس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معروف کو اپنائے اور منکر کو چھوڑ دے۔ غرض یہ کہ انسان اپنے وجود میں روزِ اوّل سے ایک ایسی بینائی لے کر اِس دنیا میں آیا ہے جو اُس کی فطرت میں الہام کر دی گئی ہے۔ وہ اصلاً ایک بینا مخلوق ہے۔

یہ واضح رہے کہ فطرت کے اِن حقائق کے لیے ’دین‘ کا لفظ یہاں اصطلاحی (Terminological) معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اصطلاحی دین (یعنی دین وحی) کے ساتھ اِن کی اِس مماثلت کی بنا پر ہوا ہے کہ وہ بھی اِس دنیا میں انسان کے لیے اُس کے پروردگار کی ہدایت ہے اور فطرت کے حقائق کی حیثیت بھی انسان کے لیے یہی ہے۔

سوال۔ ’دین وحی‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ دین وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ ہدایت ہے جو انسان کو اُس کے پیغمبروں کی ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے۔

دین فطرت اور دین وحی کا تقابل (Comparison)

سوال۔ دین فطرت اور دین وحی کا اگر تقابل کیا جائے تو اُصولی طور پر کیا نکات ہمارے سامنے آتے ہیں؟

جواب۔ حسب ذیل نکات سے اِن دونوں کے تقابل کو سمجھا جا سکتا ہے:

1) دین فطرت اور دین وحی، دونوں در اصل جس ہستی سے صادر ہوئے اور نکلے ہیں، وہ ایک ہی ہے۔ اور وہ اللہ پروردگارِ عالم کی ذات ہے۔

2) دین فطرت انسان کے لیے اللہ کی ہدایت ہے اور دین وحی کی حقیقت بھی یہی ہے۔

3) دین فطرت روزِ اوّل سے ہر انسان کے وجود میں اُس کی تخلیق کے ساتھ ہی اُس کے پروردگار کی طرف سے الہام کر دیا جاتا ہے، جبکہ دین وحی اُسے صرف اُس کے پیغمبروں ہی کی وساطت سے میسر ہوتا ہے۔

4) دین فطرت کی حیثیت انسان کے لیے اُس کے پروردگار کی بنیادی اور اوّلین ہدایت کی ہے۔ اور دین

وحی اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اضافی اور ثانوی ہدایت ہے۔ دوسرے لفظوں میں دین وحی کی بنیاد اصلاً دین فطرت کے حقائق پر قائم ہے۔

دین وحی کا آخری ماخذ (Source)

سوال۔ یہ معلوم ہوا کہ دین وحی کا ماخذ اللہ کے پیغمبر ہیں، یہاں سوال یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر تو بہت ہیں، دین وحی کے آخری ماخذ کی حیثیت کس ہستی کو حاصل ہے؟

جواب۔ دین وحی کا آخری ماخذ پیغمبروں کے سلسلہ کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دین کا تنہا ماخذ اِس زمین پر اب اُنہی کی ذاتِ والا صفات ہے۔ یہ صرف اُنہی کی ہستی ہے کہ جس سے قیامت تک بنی آدم کو اُن کے پروردگار کی ہدایت میسر ہوسکتی اور یہ صرف اُنہی کا مقام ہے کہ اپنے قول و فعل اور تقریر و تصویب سے (یعنی کسی چیز پر نکیر نہ کرتے ہوئے اور اُسے درست قرار دے کر) وہ جس چیز کو دین قرار دیں، وہی اب رہتی دنیا تک دین حق قرار پائے۔

سوال۔ دین کے ماخذ کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام ہمیں کیسے معلوم ہوا؟

جواب۔ آپ کا یہ مقام قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (الجمعہ ۶۲:۲)

’’وہی ذات ہے جس نے اِن اُمیوں میں ایک رسول اِنھی میں سے اٹھایا ہے جو اُس کی آیتیں اِن پر تلاوت کرتا ہے، اِن کا تزکیہ کرتا ہے اور (اِس کے لیے) اِنھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے‘‘۔

اِس آیت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانیت کو ملنے والی ہدایت کے لیے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے پروانۂ تقرر کی حیثیت حاصل ہے، کہ اب خدا کے دین کی جو ہدایت بھی انسانوں کو دی جائے گی، اُس کے مضامین و مباحث کا تعلق ’الکتاب‘ سے ہو، خواہ ’الحکمۃ‘[1] سے، آپ ہی کی وساطت

[1] یہاں ’الکتاب‘ سے مراد دین کے وہ مباحث ہیں جن کا تعلق قانون و شریعت سے ہے۔ اور ’الحکمۃ‘ سے مراد دین کے وہ مباحث ہیں جو ایمانیات اور اخلاقیات سے متعلق ہیں۔ تفصیل کے لیے قارئین استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی کتاب میزان کے دوسرے مقدمہ ’دین حق‘ کی مراجعت فرمائیں۔

سے دی جائے گی، انسانوں کے لیے اب دین کے ماخذ کی حیثیت صرف اور صرف آپ ہی کی ذاتِ والا صفات کو حاصل ہے۔

دین وحی کی آخری صورت

سوال۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین اُمت کو کس صورت میں ملا ہے؟

جواب۔ آپ سے یہ دین اِس اُمت کو دو صورتوں میں ملا ہے:

1) قرآن مجید

2) سنت

چنانچہ اب رہتی دنیا تک دین کے ماخذ کی حیثیت اِنہی دو چیزوں کو حاصل رہے گی۔

قرآن

سوال۔ قرآن کیا ہے؟

جواب۔ قرآنِ مجید کے بارے میں ہر مسلمان اِس حقیقت سے واقف ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اپنے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے؛ جو اپنے نزول کے بعد سے آج تک اُمت مسلمہ کے پاس اُمت کی طرف سے کامل اتفاق کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے اِس صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور جسے آپ کے صحابہؓ نے اپنے کامل اتفاق کے ساتھ، نسلاً بعد نسلٍ اسے پڑھتے ہوئے اور لکھ کر پوری حفاظت کے ساتھ بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے دنیا کو منتقل کیا ہے۔

سنت

سوال۔ سنت سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح (یعنی اُسے دوبارہ زندہ اور درست کرنے) کے بعد، اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ، اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ اور جسے آپ کے صحابہؓ نے اپنے کامل اتفاق کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے، نسلاً بعد نسل اُس پر عمل کرتے ہوئے پوری حفاظت، پورے اہتمام اور

قطعیت کے ساتھ دنیا کو منتقل کیا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ اللہ کی آسمانی ہدایت ہونے کے اعتبار سے اور ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآنِ مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔قران جس طرح اللہ کے دین کا ماخذ ہے،سنت بھی تمام تر اُسی کی عطا کردہ شریعت ہے۔قرآن جس طرح صحابہؓ کے اجماع (کامل اتفاق) اور قولی تواتر (متواتر قرأت) سے ملا ہے،سنت اُسی طرح اُن کے اجماع (کامل اتفاق) اور عملی تواتر (متواتر عمل) سے ملی ہے،اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس کتابچہ میں آگے سنت کا لفظ ہم جہاں بھی استعمال کریں گے،اُس کے اِسی معنی میں استعمال کریں گے۔

سنت کی تاریخ

سوال۔جن سنتوں کو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرتے ہیں،اُنہیں دین ابراہیمی کی روایت قرار دینے کی دین میں کیا بنیاد ہے؟

جواب۔قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس سنت اور ملت کی پیروی کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا،وہ ملت ابراہیم ہی تھی،قرآن میں اِس کا حکم آپ کے لیے اِس طرح بیان ہوا ہے:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔(النحل۱۶:۱۲۳)

''پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یکسو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔

پھر یہ بات تاریخی طور پر بھی ثابت شدہ ہے کہ شریعت کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والے کم وبیش تمام سنن درحقیقت قرآن سے پہلے ہی دین ابراہیمی کی روایت کی حیثیت سے چلے آرہے تھے۔جس کی نمایاں ترین مثال عبادات میں حج وعمرہ اور رسوم وآداب میں لڑکوں کا ختنہ کرنا ہے۔

سوال۔اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو کیا ہر وہ چیز جو تاریخ میں سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے چلی آرہی ہو،ہمارے لیے سنت اور اللہ کی شریعت قرار پائے گی؟

جواب۔نہیں،یہ بات درست نہیں ہے،بلکہ دین ابراہیمی کی حیثیت سے روایت ہونے والا صرف وہ عمل ہمارے لیے شریعت اور سنت قرار پائے گا،جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق سنت قرار دے کر شریعت کی حیثیت سے برقرار رکھا ہے۔اور آپ نے اپنے ماننے والوں میں اُسے

اللہ کے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔اِس لیے کہ اب رہتی دنیا تک خدا کے دین کے ماخذ کی حیثیت محض آپ ہی کی ذاتِ والا صفات کو حاصل ہے۔

سیدنا ابراہیم سے سنت کی نسبت درحقیقت اللہ کے دین میں اُس کی اِس تاریخی حیثیت کا بیان ہے کہ یہ زمانۂ قدیم سے دین خداوندی کا حصہ ہے۔اور سیدنا ابراہیم کے زمانہ سے چلی آرہی ہے،چنانچہ اس اعتبار سے یہ قرآن سے بھی مقدم یعنی اُس کے نزول سے بھی پہلے موجود رہی ہے۔

دین ابراہیمی کی تجدید واصلاح

سوال۔اوپر یہ بات بیان ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ابراہیمی کی سنتوں کی تجدید واصلاح فرمائی ہے،یہاں ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ دین ابراہیمی کی وہ کونسی سنتیں ہیں جن کی تجدید واصلاح آپ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق فرمائی ہے؟کوئی ایک مثال بیان کردیجئے۔

جواب۔عبادتِ حج کے بارے میں ہر شخص اِس حقیقت سے واقف ہے کہ وہ دین ابراہیمی کی سنن میں سے ہے۔آپ نے اپنے زمانے میں مناسک حج میں موجود بدعات کو ختم کر کے اُن کی اصلاح کی،اور دین ابراہیمی کے بعض مناسک کو،جن کی تجدید کی ضرورت تھی،دوبارہ زندہ کیا۔قرآن مجید اور اہل عرب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ قریش کے لوگ مناسک حج کی ادئیگی کے دوران میں خاص اپنے لیے عرفات کی حاضری اور وقوف کو ضروری نہیں سمجھتے تھے،صرف مزدلفہ تک جاتے اور وہیں سے لوٹ آتے تھے۔میدانِ عرفات چونکہ حدودِ حرم سے باہر واقع ہے،چنانچہ اُن کا خیال یہ تھا کہ وہ بیت اللہ کے متولی اور مجاور ہیں،اِس وجہ سے اُن کے لیے حدودِ حرم سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔خدا کی عبادت اور بندگی میں بھی اُنھوں نے اپنے لیے ایک امتیاز قائم کرلیا تھا۔چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق دین ابراہیمی کی سنت میں موجود اِس بدعت کی اصلاح فرمائی۔اور اِس معاملے میں اصل سنت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کردیا۔(البقرہ۲:۱۹۹)

دین ابراہیمی پر اضافہ

سوال۔یہ بات بھی اِس سے پہلے بیان ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ابراہیمی کی سنتوں میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق بعض اضافے بھی فرمائے ہیں۔یہاں سوال یہ ہے کہ آپ کی جانب سے جاری کی گئی وہ کون سی سنتیں ہیں جنہیں دین ابراہیمی پر اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

جواب۔ اِس حوالے سے ’عیدالفطر‘ اور ’عیدالاضحیٰ‘ کے دونوں تہواروں کو بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں تہوار خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ بطورِ سنت اِن کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی ہے، چنانچہ سنن میں اِن کی حیثیت دینِ ابراہیمی پر آپ کی طرف سے کیے جانے والے اضافہ ہی کی ہے۔

دین کا ذریعۂ انتقال

سوال۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کا یہ دین دنیا کو کیسے منتقل ہوا ہے؟

جواب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع (کامل اتفاق) اور قولی و عملی تواتر (متواتر قول و عمل) سے منتقل ہوا ہے۔

اجماع و تواتر کے معنی

سوال۔ ’اجماع‘ اور ’تواتر‘ کے معنی کیا ہیں؟

جواب۔ سب سے پہلے تو یہ واضح رہے کہ ’اجماع‘ (Consensus) اور ’تواتر‘ (Continuity) اصلاً ہماری کوئی دینی اصطلاحات (Terminologies) نہیں ہیں۔ یہ در اصل تاریخ کے علوم کی اصطلاحات ہیں۔ اجماع کے معنی کسی چیز پر انسانوں کی عظیم اکثریت کے علمی اتفاق اور عدمِ اختلاف کے ہیں، جبکہ تواتر کسی چیز کے بغیر کسی انقطاع اور خلا کے کامل تسلسل کے ساتھ نسل در نسل منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ دین کے اجماع اور تواتر سے منتقل ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے یہ دین آپ سے کامل اتفاق کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے، اور کامل قولی و عملی تسلسل سے بغیر کسی انقطاع اور خلا کے نسل در نسل اگلی نسلوں کو منتقل کیا ہے۔ دنیا میں تاریخی طور پر کسی چیز کے منتقل ہونے کا مستندترین ذریعہ اجماع اور تواتر ہی ہیں، کسی چیز کے تاریخی استناد کو آخری درجے میں ثابت کرنے کے لیے اجماع و تواتر سے بڑھ کر اب تک کوئی چیز پیش نہیں کی جا سکی۔

دین کے انتقال میں اجماع کا تسلسل

سوال۔ کیا صحابہؓ کے بعد اُمت کی بعد کی نسلوں نے بھی دین کو اِسی طرح اجماع اور تواتر سے منتقل کیا ہے؟

جواب۔ بلا شبہ صحابہ کرامؓ سے ہم تک تمام اُمت نے خدا کا یہ دین قرآن اور سنت کی صورت میں اپنے کامل اجماع اور تواتر سے منتقل کیا ہے۔ اللہ کے دین کی روایت میں یہ کامل اتفاق اور قولی و عملی تسلسل ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین کی یہ ہدایت ہم اب بھی اُمت کے اجماع ہی سے اخذ کرتے ہیں۔

اجماع و تواتر کا نتیجہ

سوال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک دین کے منتقل ہونے میں خاص طور پر ’اجماع اور تواتر‘ کے وجود سے کیا نتائج ثابت ہوتے ہیں؟

جواب۔ اِس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس دین کی نسبت علم یقین کے درجے میں ثابت ہوتی ہے، اور اِس کے ثبوت کے حوالے سے کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

اعمالِ سنن اور اُن کا حکم

سوال۔ سنت کی حیثیت سے جو دین ہمیں ملا ہے، اُس کے مشمولات (Contents) کیا ہیں؟ اس میں کیا اعمال ہیں؟ اور دین میں اُن کے حکم کی حیثیت کیا ہے؟

جواب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنن ہمیں ملے ہیں، وہ عبادات، معاشرت، خورونوش اور رسوم و آداب سے متعلق ہیں۔ اُن تمام سنن کو ہم یہاں دین میں اُن کے حکم کے ساتھ بیان کیے دیتے ہیں:

عبادات

1) شب و روز کی پانچ نمازیں اور اُن کے متعلقات۔ ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے یہ نمازیں دین میں لازمی عبادات کی حیثیت رکھتی ہیں۔

2) نمازِ جمعہ اور اُس کے متعلقات۔ ہر جمعہ کے دن مردوں کے لیے دین میں یہ نماز ایک لازمی، جبکہ عورتوں کے لیے ایک پسندیدہ عبادت کے طور پر جاری کی گئی ہے۔

3) عیدین کی نماز اور اُس کے متعلقات۔ یہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر مردوں کے لیے لازمی اور عورتوں کے لیے ایک پسندیدہ نماز ہے۔

4) نمازِ جنازہ اور اُس کے متعلقات۔ میت کے ورثا اور اقربا کے لیے اِسے ادا کرنا ایک لازمی سنت ہے۔ جبکہ دیگر افراد کے لیے اِس کی حیثیت ایک پسندیدہ عمل کی ہے۔

5) زکوٰۃ اور اُس کے متعلقات۔ یہ عبادت اپنی شرائط کے ساتھ دین میں ایک لازمی انفاق (خرچ) ہے جو مسلمانوں کے اموال میں مقرر کیا گیا ہے۔

6) صدقۂ فطر۔ ہر صاحب استطاعت مسلمان مرد وعورت کے لیے رمضان کے اختتام پر نمازِ عید سے پہلے اِس انفاق کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں ایک لازمی سنت کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

7) رمضان کے روزے اور اُن کے متعلقات۔ ماہِ رمضان میں مسلمانوں کے لیے دین میں اِسے ایک لازمی عبادت کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے۔

8) اعتکاف اور اُس کے متعلقات۔ یہ عبادت روزہ کو اُس کے درجۂ کمال تک پہنچا دیتی ہے۔ روزہ کے ساتھ ادا کی جانے والی یہ ایک پسندیدہ سنت ہے۔ مسلمانوں پر یہ عبادت لازم نہیں کی گئی ہے۔

9) بیت الحرام کا حج اور اُس کے متعلقات۔ ہر صاحب استطاعت مسلمان مرد وعورت پر یہ عبادت عمر بھر میں ایک مرتبہ دین میں لازم کی گئی ہے۔

10) بیت الحرام کا عمرہ اور اُس کے متعلقات۔ دین میں یہ عبادت صاحب استطاعت مسلمانوں کے لیے ایک پسندیدہ سنت کی حیثیت رکھتی ہے، لازم نہیں ہے۔

11) عیدالاضحیٰ کی قربانی اور اُس کے متعلقات۔ اِس سنت کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب استطاعت مسلمانوں کے لیے ایک پسندیدہ عبادت کے طور پر دین میں جاری فرمایا ہے۔

12) ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ) میں ہر نماز کے بعد تکبیریں۔ یہ تکبیرات دین میں ایک لازمی سنت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

معاشرت

1) نکاح۔ ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے یہ اپنی شرائط کے ساتھ ایک لازمی سنت ہے۔

2) مرد کے لیے نکاح کے موقع پر مہر کی ادائیگی۔ اِس کی حیثیت بھی ایک لازمی سنت کی ہے۔

3) نکاح کے موقع پر خطبہ۔ یہ دین میں ایک پسندیدہ سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ لازم اور واجب نہیں ہے۔

4) حیض ونفاس میں میاں بیوی کے تعلق سے اجتناب۔ میاں بیوی کے لیے اِسے دین میں ایک

لازمی حکم کی حیثیت حاصل ہے۔

5) طلاق۔ شریعت میں اِس کی تاریخ بھی نکاح کی طرح قدیم ہے۔ یہ اصلاً کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے، لیکن کبھی میاں بیوی کے درمیان اگر نباہ ناممکن ہو جائے تو مرد کے لیے اجازت ہے کہ وہ اپنا حق طلاق استعمال کرتے ہوئے عقدِ نکاح کو ختم کر دے۔

خوردونوش

1) سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔

2) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔ جانور ذبح کرنے والے کے لیے یہ عمل دین میں ایک لازمی سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ تَذْکِیَہ کا لفظ بطورِ اصطلاح جس مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی تیز چیز سے جانور کو زخمی کر کے اُس کا خون اِس طرح بہا دیا جائے کہ اُس کی موت خون بہ جانے ہی کے باعث واقع ہو۔

رسوم و آداب

1) اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ کھانے پینے کے موقع پر اِس عمل کو دین میں ایک لازمی سنت کی حیثیت سے جاری کیا گیا ہے۔

2) ملاقات کے موقع پر 'اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم' اور اُس کا جواب۔ یہ سنت بھی دین میں ایک لازمی عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔

3) چھینک آنے پر 'اَلْحَمْدُ لِلّٰہ' اور اُس کے جواب میں 'یَرْحَمُکَ اللّٰہ' کہنا۔ دین میں یہ عمل بھی ایک لازمی سنت کے طور پر جاری کیا گیا ہے۔

4) نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے والدین اور سرپرستوں کے لیے ایک پسندیدہ سنت کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

5) مونچھیں پست رکھنا۔ اِس عمل کو مردوں کے لیے دین میں ایک لازمی سنت کی حیثیت حاصل ہے۔

6) زیر ناف کے بال مونڈنا۔ یہ بھی دین میں ایک واجب عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

7) بغل کے بال صاف کرنا۔ اِس کی حیثیت بھی ایک لازمی سنت کی ہے۔

8) بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ یہ عمل بھی دین میں ایک لازمی حکم کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے۔

9) لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ والدین اور سرپرستوں پر دینِ ابراہیمی کی یہ سنت بھی لازم کی گئی ہے۔

10) ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ سنن میں اِس عمل کی حیثیت بھی ایک واجب کی ہے۔

11) استنجا۔ اِس کے معنی بول و براز (یعنی پیشاب پاخانہ) کے بعد پوری احتیاط کے ساتھ جسم کی صفائی کے ہیں۔ مسلمانوں پر طہارت کا یہ عمل بھی دین میں لازم کیا گیا ہے۔

12) حیض و نفاس کے بعد غسل۔ حیض و نفاس کے بعد خون آنا بند ہو جائے تو عورتوں کے لیے یہ غسل کرنا دین میں ایک لازمی سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔

13) غسل جنابت۔ انبیا علیہم السلام کے دین میں اِس غسل کا حکم بھی ہمیشہ رہا ہے۔ اِس کی حیثیت بھی دین میں ایک لازمی سنت کی ہے۔

14) میت کا غسل۔ ورثا اور قرابت مندوں پر اِس ذمہ داری کو ادا کرنا دین میں لازم کیا گیا ہے۔

15) تجہیز و تکفین۔ میت کے ورثا اور اقربا کے لیے اِس کے حکم کی حیثیت بھی میت کے غسل ہی کی طرح ہے۔

16) تدفین۔ میت کے عزیز و اقارب کے لیے یہ بھی ایک لازمی سنت ہے۔

17) عیدالفطر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے چند متعین اعمالِ عبادت کے ساتھ مسلمانوں میں ایک لازمی تہوار کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

18) عیدالاضحیٰ۔ اِس کی حیثیت بھی دین میں عیدالفطر ہی کی طرح ہے[۲]۔

سنت کو کیسے متعین کیا جائے؟

سوال۔ اللہ کی آسمانی ہدایت اور شریعت کے ایک حکم کی حیثیت سے کوئی چیز سنت کب قرار پاتی ہے؟ اُسے ہم کس طرح متعین کر سکتے ہیں؟

جواب۔ چند عقلی اور فطری اُصول (Principles) ہیں، جن کی رہنمائی میں اِسے متعین کیا جا سکتا ہے۔ اُنھیں سامنے رکھ کر اگر دین کی اُس روایت پر تدبر کیا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے علاوہ اِس اُمت کو منتقل ہوئی ہے، تو سنت بھی قرآن ہی کی طرح پوری قطعیت کے ساتھ متعین ہو جاتی ہے۔

۲۔ اِن سنن کی تفصیلات کے لیے قارئین استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی کتاب میزان کے ابواب: قانونِ عبادات، قانونِ معاشرت، خورونوش اور رسوم و آداب کی مراجعت فرمائیں۔

سنن کی تعیین کے رہنما اُصول

سوال۔ سنن کی تعیین کے رہنما اُصول کیا ہیں؟

جواب۔ وہ اُصول یہ ہیں:

1- جو چیز اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہو۔

2- وہ عملی نوعیت کی چیز ہو۔ علم و عقیدہ کی نوعیت کی چیز نہ ہو۔

3- اُس کی ابتدا قرآن سے نہیں، بلکہ پیغمبر سے ہوئی ہو۔

4- اُس کی حیثیت کسی سنت پر بطورِ تطوع (یعنی اپنے شوق سے کیے جانے والے) عمل یا اُسے اُس کے درجۂ کمال پر انجام دینے کی نہ ہو۔

5- وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دینِ فطرت کا بیان نہ ہو۔

6- اُس کی نوعیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لوگوں کے لیے محض رہنمائی کی نہ ہو، بلکہ آپ نے اُسے باقاعدہ طور پر سنت کی حیثیت سے جاری اور مقرر فرمایا ہو۔

7- وہ اُمت کے اجماع سے ثابت ہو۔ محض اخبارِ آحاد (یعنی چند لوگوں کی روایت) کی نوعیت کی چیز نہ ہو۔

پہلے اُصول کی توضیح

☆ پہلا اُصول یہ ہے کہ سنت صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہو۔ جیسے نماز، روزہ، اعتکاف، حج و عمرہ، قربانی، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، استنجا، غسل جنابت اور اللہ کا نام لے دائیں ہاتھ سے کھانا پینا...... وغیرہ۔

سوال۔ سنت کے حوالے سے اِس بات کو بحیثیت ایک اُصول کے طور پر بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب۔ قرآن اِس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ اللہ کے نبی اُس کا دین پہنچانے ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اُن کے علم و عمل کا دائرہ یہی تھا۔ اِس کے سوا اصلاً کسی چیز سے اُنھیں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اپنی حیثیت نبوی کے ساتھ وہ بشر کی حیثیت سے ابراہیم بن آزر بھی تھے، موسیٰ بن عمران اور عیسیٰ بن مریم بھی تھے اور محمد بن عبداللہ بھی، لیکن اپنی اِس حیثیت میں اُنھوں نے لوگوں سے کبھی

کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ اُن کے تمام مطالبات صرف اِس حیثیت سے تھے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کی حیثیت سے جو چیز اُنھیں دی گئی ہے، وہ دین اور صرف دین ہے جسے لوگوں تک پہنچانا ہی اُن کی اصل ذمہ داری ہے۔

سوال۔ یہ بات قرآن سے کیسے معلوم ہوتی ہے؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحاً وَّالَّذِىْ أَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَ عِيْسٰى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ (الشوریٰ ۴۲: ۱۳)

”اُس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی (اے پیغمبر)، اب ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو فرمائی، اِس تاکید کے ساتھ کہ (اپنی زندگی میں) اِس دین کو قائم رکھو اور اِس میں تفرقہ پیدا نہ کرو“۔

سوال۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی اِس طرح کی کوئی بات روایت ہوئی ہے؟

جواب۔ آپ نے یہ بات خود ایک موقع پر اِس طرح واضح فرمائی ہے:

اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ ، اِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَىْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ ، وَاِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَىْءٍ مِّنْ رَّأْيِىْ فَاِنَّمَا أَنَابَشَرٌ...... اِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا فَلَا تُؤَاخِذُوْنِىْ بِالظَّنِّ،وَلٰكِنْ اِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ شَيْئًا فَخُذُوْا بِهٖ، فَاِنِّىْ لَنْ أَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ ...... أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ۔

(مسلم، رقم ۲۳۶۱، ۲۳۶۲)

”میں بھی ایک انسان ہی ہوں، جب میں تمھارے دین کے متعلق تمھیں کوئی حکم دوں تو اُسے لے لو اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میری حیثیت بھی اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ میں ایک انسان ہوں...... میں نے ایک اندازے سے ایک بات کہی تھی[3]۔ تم اِس طرح کی باتوں کو نہ لو جو گمان اور رائے پر مبنی ہوں۔ ہاں، جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ کہوں تو اُسے لے لو، اس لیے کہ میں اللہ پر کبھی جھوٹ نہ باندھوں گا...... تم اپنے دنیوی معاملات کو بہتر جانتے ہو“۔

---

[3] اشارہ ہے اُس رائے کی طرف جو کھجوروں کی پیوندکاری کے معاملے میں آپ نے مدینہ کے لوگوں کو ایک موقع پر دی تھی۔

سوال۔ جو چیزیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین نہیں ہیں، آپ کے اعمال و افعال میں اُنھیں کن مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے؟

جواب۔ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں تیر، تلوار اور اِس طرح کے دوسرے اسلحہ استعمال کیے ہیں، اونٹوں پر سفر کیا ہے، مسجد بنائی ہے تو اُس کی چھت کھجور کے تنوں سے پاٹی ہے، اپنی قومی زبان میں گفتگو فرمائی ہے، اپنے تمدن کے لحاظ سے بعض کھانے کھائے ہیں اور کھانے پینے کی اشیا میں کسی کو پسند اور کسی کو ناپسند کیا ہے، اپنے شخصی ذوق کے مطابق اپنی ہی قوم کا ایک خاص وضع قطع کا لباس پہنا ہے، اپنے زمانے کے طریقۂ تجارت کو اپنایا ہے، علاج معالجہ کے طریقے اختیار کیے ہیں اور اپنے تمدن کے لحاظ سے پیغام رسانی کے اسباب اور طریقوں کو اختیار کیا ہے، لیکن اِن میں سے کوئی چیز بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہے، نہ آپ نے اُسے دین قرار دیا ہے۔ چنانچہ اِن میں سے کسی چیز کو بھی سنت نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ کوئی صاحب علم اِسے سنت کہنے کے لیے تیار ہو سکتا ہے۔

پہلے اُصول سے ماخوذ ایک اہم نکتہ

سوال۔ اِس پہلے اُصول سے بنیادی طور پر کیا نتیجہ سامنے آتا ہے؟

جواب۔ اِس سے جو نتیجہ متعین ہو کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی چیز کا محض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ روایت ہو کر ہم تک پہنچ جانا اُسے اللہ کا حکم، سنت اور آسمانی شریعت قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اُسے دین و شریعت قرار دینے کے لیے تو سب سے پہلے اِس شرط کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ چیز خود اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہو۔

دین کے احکام کی نوعیت

سوال۔ یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ کوئی چیز اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہے یا نہیں ہے؟

جواب۔ دین کے تمام مشمولات کو، خواہ وہ دین فطرت کے حقائق سے متعلق ہوں یا دین وحی کے احکام سے، اگر سامنے رکھ کر اُن کا بغور مطالعہ کیا جائے اور دین کے مقصد یعنی تزکیۂ نفس سے اُنھیں متعلق کیا جائے تو یہ بات کسی بھی چیز کے بارے میں باآسانی متعین کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہے یا نہیں۔ اِس اعتبار سے جب ہم دین کے تمام اجزا کا بشمول اُس کے مقصد کے جائزہ لیتے ہیں تو حسب ذیل چیزوں کا اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہونا پوری قطعیت کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے:

عبادات کی نوعیت کی چیزیں

وہ تمام اعمال جو عبادات یعنی خدا اور بندہ کے درمیان تعلق کے مراسم کی حیثیت رکھتے ہیں، اپنی نوعیت ہی کے لحاظ سے دین ہیں۔ جیسے نماز اور اُس کے اعمال (خدا کے حضور میں قیام، تلاوتِ آیات، رکوع وسجود، دعا ومناجات، ذکر وشکر وغیرہ)، زکوٰۃ، روزہ اور اعتکاف، مناسک حج وعمرہ اور قربانی......وغیرہ۔

علم و فکر کی پاکیزگی سے متعلق ہدایت و رہنمائی

وہ ہدایت اور رہنمائی جو ہمارے علم کی پاکیزگی سے متعلق ہے، جسے ہم 'ایمانیات' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ جیسے ذاتِ خداوندی کے صحیح تصور اور اُس کی صفات کا بیان، توحید کی دعوت اور شرک سے اجتناب کی تاکید، بیانِ آخرت اور اُس کے اثبات کے مضامین ......وغیرہ۔ قرآن میں اِس طرح کے تمام مضامین بالبداہت واضح ہے کہ اپنی نوعیت ہی کے لحاظ سے دین ہیں۔

یہاں یہ واضح رہے کہ خاص سنت کے حوالے سے اِس طرح کی چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تمام تر اِنسان کی عملی زندگی سے متعلق ہوتی ہے۔ علم وعقیدہ سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اخلاقی وجود کی پاکیزگی سے متعلق احکا م

وہ تمام احکام جو ہمارے اخلاقی وجود کی پاکیزگی سے متعلق ہیں، اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہے۔ جیسے سچائی کی تلقین اور جھوٹ سے اجتناب کی تاکید، تواضع کی دعوت اور تکبر کی ممانعت وغیرہ۔ یہ سب اصلاً دین ہیں۔ اِس لیے کہ انسان کے اخلاقی وجود میں پاکیزگی اور ناپاکی کا شعور، اچھے اخلاق کو خیر کی حیثیت سے جاننا اور بُرے اخلاق کو شر کی حیثیت سے پہچاننا انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی وہ ہدایت ہے جو اُس کی فطرت میں الہام کر دی گئی ہے۔ اور جو چیز اللہ کی ہدایت ہے وہ دین ہے۔

جسمانی وجود کی پاکیزگی سے متعلق آداب

وہ تمام اعمال جو انسان کے جسمانی وجود کی پاکیزگی سے متعلق ہیں، اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہیں۔ جیسے زیرِ ناف کے بال مونڈنا، بغل کے بال صاف کرنا، بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا اور لڑکوں کا ختنہ کرنا......وغیرہ۔ اِس لیے کہ جسمانی وجود سے متعلق پاکیزگی اور نجاست کا احساس اور شعور بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی حیثیت سے انسان کی فطرت ہی میں موجود ہے۔ اور اللہ کی ہدایت ہی کا نام دین ہے۔

خور و نوش کی پاکیزگی سے متعلق ہدایات

وہ تمام احکام بھی جو انسان کے کھانے پینے کی پاکیزگی سے متعلق ہیں، اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہیں۔ اِس لیے کہ کھانے پینے کے حوالے سے پاکیزہ اور ناپاک اشیا کا شعور اور اُن کے مابین امتیاز کی صلاحیت بھی ابتدا ہی سے انسان کے اندر اُس کے خداوند کی طرف سے رکھی کی گئی ہے۔ اور جو چیز خدا کی عطا کردہ ہدایت ہے، بالبداہت واضح ہے کہ وہ دین ہے۔

دوسرے اُصول کی توضیح

☆ دوسرا اُصول یہ ہے کہ سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے، یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں۔ جیسے نکاح، ملاقات کے موقع پر 'السَّلَامُ عَلَیْکُم' اور اُس کا جواب، چھینک آنے پر 'الْحَمْدُ لِلّٰہِ' اور اُس کے جواب میں 'یَرْحَمُكَ اللّٰهُ' کہنا، اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا، ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی اور بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا......وغیرہ۔

علم وعقیدہ، تاریخ، شانِ نزول اور اِس طرح کی دوسری چیزوں کا سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لغت عربی میں سنت کے معنی پٹے ہوئے راستے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوموں کے ساتھ دنیا میں جزا وسزا کا جو معاملہ کیا، قرآن میں اُسے 'سُنَّةُ اللّٰهِ' (اللہ کا عمومی طریقہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سنت کا لفظ ہی اِس بات کو قبول نہیں کرتا کہ ایمانیات کی قسم کی کسی چیز پر اُس کا اطلاق کیا جائے۔ لہٰذا علمی نوعیت کی کوئی چیز بھی سنت نہیں ہے۔ اِس کا دائرہ کرنے کے کام ہیں، اِس دائرے سے باہر کی چیزیں اِس میں کسی طرح شامل نہیں کی جا سکتیں۔

دوسرے اُصول سے ماخوذ ایک اہم نکتہ

سوال۔ دوسرے اُصول سے بنیادی طور پر کیا نتیجہ سامنے آتا ہے؟

جواب۔ اِس سے جو اہم نکتہ متعین ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی چیز کو سنت قرار دینے کے لیے محض یہ بات بھی کافی نہیں ہے کہ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک دینی چیز ہے، بلکہ اُس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عملی نوعیت کی چیز ہو۔ اِس لیے کہ سنت کا تعلق تمام تر انسان کی عملی زندگی سے ہے۔

تیسرے اُصول کی توضیح

☆ تیسرا اُصول یہ ہے کہ عملی نوعیت کی صرف وہ چیزیں سنت ہیں جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی، بلکہ اصلاً اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اُس کے پیغمبروں سے ہوئی ہے۔ جیسے لڑکوں کا ختنہ کرنا، میت کا غسل، نمازِ جنازہ، تدفین، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور اِس طرح کے دوسرے اعمال۔ عملی نوعیت کی وہ چیزیں بھی سنت نہیں ہوسکتیں جن کی ابتدا پیغمبر کے بجائے قرآن سے ہوئی ہے۔

سوال۔ دین میں اُن چیزوں کو جن کی ابتدا قرآن سے ہوئی ہے اور اُن چیزوں کو جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانی ہدایت کے طور پر سنت کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے، کن مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے؟

جواب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہے کہ آپ نے چوروں کے ہاتھ کاٹے ہیں، زانیوں کو کوڑے مارے ہیں، اوباشوں کو سنگسار کیا ہے، منکرین حق کے خلاف تلوار اٹھائی ہے، لیکن اِن میں سے کسی چیز کو بھی سنت نہیں کہا جاتا۔ یہ قرآن کے احکام ہیں جو ابتداءً اُسی میں وارد ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تعمیل کی ہے۔ جبکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی کا حکم بھی اگرچہ جگہ جگہ قرآن میں آیا ہے اور اُس نے اِن میں بعض اصلاحات بھی کی ہیں، لیکن یہ بات خود قرآن ہی سے واضح ہوجاتی ہے کہ اِنھیں پیغمبر کی طرف سے دین ابراہیمی کی تجدید کے بعد اُس کی تصویب سے جاری کیا گیا ہے۔ اِس لیے یہ لازماً سنن ہیں؛ جنھیں قرآن نے مؤکد کردیا ہے۔

قرآن کی شرح ووضاحت اور دین پر عمل کے لیے بہترین نمونہ

سوال۔ کسی چیز کا حکم اگر اصلاً قرآن پر مبنی ہے اور پیغمبر نے اُس کی وضاحت فرمائی ہے یا اُس پر عمل کیا ہے تو پیغمبر کے اُس قول وفعل کو دین میں کس حیثیت سے دیکھا جائے گا؟

جواب۔ پیغمبر کی جانب سے قرآن کے کسی حکم کی وضاحت یا عین اُس کے مطابق عمل کو ہم سنت نہیں، بلکہ قرآن کی شرح و وضاحت اور پیغمبر کے اُسوۂ حسنہ یعنی دین پر عمل کے بہترین نمونے سے تعبیر کریں گے۔ سنت صرف اُنھیں چیزوں کو کہا جائے گا جو اصلاً پیغمبر کی جانب سے جاری ومقرر کی گئی ہیں اور اُنھیں قرآن کے کسی حکم پر عمل یا اُس کی شرح ووضاحت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

چوتھے اُصول کی توضیح

☆ چوتھا اُصول یہ ہے کہ اپنے طور پر کسی سنت پر بطورِ تطوع (یعنی اپنے شوق سے) عمل کرنا یا اُسے اُس کے درجۂ کمال پر انجام دینا اُسے کوئی نئی سنت نہیں بنا دیتا۔ اِس طرح کی کوئی چیز اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہو تو اُسے آپ کا اُسوۂ حسنہ یعنی دین پر عمل کا بہترین نمونہ تو قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ ایک مستقل سنت کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے لفظوں میں سنت کے لیے بہر حال یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی حیثیت کسی سنت پر بطور نفل عمل کی نہ ہو؛ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اللہ کی آسمانی شریعت کے طور پر اختیار کیا ہو۔

سنت اور اُسوۂ حسنہ

سوال۔ اِس چوتھے اُصول کو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کی کن مثالوں سے سمجھ سکتے ہیں؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ (البقرہ ۲:۱۵۸)۔
''اور جس نے اپنے شوق سے نیکی کا کوئی کام کیا تو بے شک اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے''۔

یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس ارشادِ خداوندی کے تحت شب وروز کی پانچ لازمی نمازوں کے ساتھ اپنے طور پر نفل نمازیں بھی پڑھی ہیں، رمضان کے روزوں کے علاوہ نفل روزے بھی رکھے ہیں، نفل قربانی بھی کی ہے، لیکن اِن میں سے کوئی چیز بھی اپنی اِس حیثیت میں سنت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقے سے اِن نوافل کا اہتمام کیا ہے، اُسے ہم عبادات میں آپ کا اُسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) تو کہہ سکتے ہیں، لیکن اُسے ایک مستقل سنت کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

یہی معاملہ کسی کام کو اُس کے درجۂ کمال پر انجام دینے کا بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اور غسل اِس کی بہترین مثالیں ہیں۔ آپ نے جس طریقے سے یہ دونوں کام کیے ہیں، اُس میں کوئی چیز بھی اصل سے زائد نہیں ہے کہ اُسے ایک الگ سنت ٹھیرایا جائے، بلکہ اصل ہی کو ہر لحاظ سے پورا کردینے کا عمل ہے جس کا نمونہ آپ نے اپنے وضو اور غسل میں پیش فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ سب چیزیں بھی اُسوۂ حسنہ ہی کے ذیل میں رکھی جائیں گی، اِنھیں سنت نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پانچویں اُصول کی توضیح

☆ پانچواں اُصول یہ ہے کہ وہ چیزیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محض بیانِ فطرت کے طور پر آئی ہیں، وہ بھی سنت نہیں ہیں، الا یہ کہ انبیا علیہم السلام نے اُن میں کسی چیز کو اُٹھا کر دین کا لازمی جز بنا دیا ہو۔ ایسی چیزوں کو سنت نہیں، بیانِ فطرت کہا جائے گا۔ وہ یعنی انسان کے باطن میں الہام کی گئی خدا کی فطری ہدایت کی وضاحت ہے۔

سوال۔ ارشاداتِ نبوی میں وہ کیا مثالیں ہیں جن سے ہم اِس اُصول کو سمجھ سکتے ہیں؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ: لَاأَجِدُ فِيْمَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّماً عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهٗ إِلَّآ أَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَماً مَسْفُوْحاً أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهٗ رِجْسٌ أَوْ فِسْقاً أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ (الانعام ۶:۱۴۵)

''کہہ دو: میں تو اُس وحی میں جو میری طرف آئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز جسے وہ کھاتا ہے، حرام نہیں پاتا سوائے اِس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون یا سؤر کا گوشت، اِس لیے کہ یہ سب ناپاک ہیں، یا اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ کے نام کے سوا کسی اور کے نام کا ذبیحہ''۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (۲:۱۷۳)

''اُس نے تو بس تمھارے لیے مردار، خون، سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو حرام ٹھیرایا ہے''۔

قرآن نے اِن نصوص میں جو اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے، اُس سے واضح ہوتا ہے کہ جانوروں کے حلال و حرام ہونے کے باب میں اللہ تعالیٰ نے محض چار ہی چیزیں حرام قرار دی ہیں۔ قرآن کے اِس بیان کے بعد کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت[1] سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیانِ فطرت کے قبیل سے ہیں۔ یہ اُسی فطرت کا بیان ہے جس کے تحت انسان ہمیشہ سے جانتا ہے کہ نہ شیر اور چیتے اور ہاتھی کوئی کھانے کی چیز ہیں اور نہ گھوڑے اور گدھے دستر خوان کی لذت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اِس طرح کی بعض دوسری چیزیں بھی روایتوں میں بیان ہوئی

[1] مسلم، رقم ۱۴۰۷۔ بخاری، رقم ۵۵۲۱۔

ہیں، اُنھیں بھی اِسی ذیل میں سمجھنا چاہیے اور سنت سے الگ انسانی فطرت میں اُن کی حیثیت سے پیش کرنا چاہیے۔

چھٹے اُصول کی توضیح

☆ چھٹا اُصول یہ ہے کہ سنت کے لیے بہر حال یہ ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے ماننے والوں میں باقاعدہ طور پر، متعین شکل میں، پورے اہتمام اور قطعیت کے ساتھ دین کی حیثیت سے جاری اور مقرر فرمایا ہو۔ وہ چیزیں بھی سنت نہیں ہو سکتیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے اُنھیں بتائی تو ہیں، لیکن اُس رہنمائی کی نوعیت ہی پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر دیتی ہے کہ اُنھیں سنت کے طور پر جاری کرنا آپ کے پیشِ نظر ہی نہیں ہے۔

سوال۔ اِس اُصول کو سمجھنے کے لیے کیا مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

جواب۔ اِس کی ایک مثال نماز میں قعدے کے اذکار ہیں۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو تشہد اور درود بھی سکھایا ہے اور اُس موقع پر کرنے کے لیے دعاؤں کی تعلیم بھی دی ہے، لیکن یہی روایتیں واضح کر دیتی ہیں کہ اِن میں سے کوئی چیز بھی نہ آپ نے بطور خود اُس موقع کے لیے مقرر کی ہے اور نہ سکھانے کے بعد لوگوں کے لیے اُسے پڑھنا لازم قرار دیا ہے۔ یہ آپ کے پسندیدہ اذکار ہیں اور اِن سے بہتر کوئی چیز تصور نہیں کی جا سکتی، لیکن اِس معاملے میں آپ کا طرزِ عمل صاف بتاتا ہے کہ آپ لوگوں کو کسی بات کا پابند نہیں کرنا چاہتے، بلکہ اُنھیں یہ اختیار دینا چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی سکھائی ہوئی یہ دعائیں بھی کر سکتے ہیں اور اِن کی جگہ دعا و مناجات کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اپنا سکتے ہیں۔ لہٰذا سنت صرف یہی ہے کہ قعدے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اِس کے علاوہ کوئی چیز بھی اِس موقع پر سنت کی حیثیت سے مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اِس کے برعکس ہم نماز ہی میں قیام کے اذکار کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ اور اُس کے ساتھ مزید قراءت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ طور پر پورے اہتمام اور قطعیت کے ساتھ سنت کی حیثیت سے جاری اور مقرر فرمایا ہے۔

خدا کا پیغمبر کسی چیز کو دین کیسے قرار دیتا ہے؟

سوال۔ یہ کیسے متعین کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو دین قرار دیا ہے یا نہیں؟

جواب۔ اِس معاملہ میں خدا کے پیغمبروں کے طریقۂ کار کو جاننے کے بعد یہ بات بھی باآسانی سمجھی

جا سکتی ہے۔خدا کے پیغمبر آسمان سے ہدایت پا کر جب کسی چیز کو دین کی حیثیت سے اپنے ماننے والوں میں پیش کرتے ہیں تو اُن کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے آسمانی ہدایت کے طور پر پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ، ایک متعین شکل میں، اللہ کے دین کی حیثیت سے اپنے تمام ماننے والوں میں باقاعدہ طور پر جاری اور مقرر کرتے ہیں۔جیسا کہ اعمالِ سُنن کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کیا ہے۔اِس لیے کہ قرآن کے علاوہ دین میں سنت بھی اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے اِسی طرح پہنچانے کے مکلّف تھے۔

ساتویں اُصول کی توضیح

☆ وہ چیزیں بھی سنت نہیں ہیں جو محض اخبارِ آحاد (یعنی چند لوگوں کی روایت) کے ذریعہ سے منتقل ہوئی ہیں۔سنت کے لیے بہرحال یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اُمت کے اجماع سے یعنی صحابہؓ سے لے کر ہم تک کامل علمی اتفاق سے ثابت ہو۔جس طرح قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا، اِسی طرح سنت بھی اُس سے ثابت نہیں ہوتی۔

سوال۔اِس بات کو ایک اُصول کی حیثیت سے کیوں مانا جائے؟

جواب۔اِس لیے کہ دین میں سنت اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانے کے مکلّف تھے۔اخبارِ آحاد کی طرح اُسے لوگوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کہ وہ چاہیں تو اُسے آگے منتقل کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔لہٰذا قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی اُمت کا اجماع ہے اور جس طرح وہ صحابہؓ کے اجماع اور قولی تواتر سے اُمت کو ملا ہے، اِسی طرح یہ اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے، اِس سے کم تر کسی ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور دین کی شرح و وضاحت کی روایت تو بے شک قبول کی جا سکتی ہے، لیکن قرآن و سنت کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتے۔

سوال۔سنت کی تعیین کے لیے اِن اُصولوں (Principles) سے کیسے استفادہ کیا جائے؟

جواب۔اِنہیں سامنے رکھ کر دین کی اُس روایت پر غور و تدبر کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے علاوہ اِس اُمت کو منتقل ہوئی ہے۔اور پھر اُنہیں چیزوں کو سنت سمجھا جائے جو بیک وقت اِن تمام اُصولوں پر پورا اتریں۔

کیا دین قرآن اور سنت میں محصور (Confined) ہے؟

سوال۔کیا اللہ کا دین محض قرآن اور سنت ہی میں پایا جاتا ہے یا اُسے کسی تیسرے ماخذ (Source) میں بھی تلاش کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔دین کے آخری ماخذ کی حیثیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کو حاصل ہے، اور آپ سے اللہ کا یہ دین اُمت کو قرآن اور سنت ہی کی صورت میں ملا ہے۔چنانچہ دین لا ریب، اِنہی دو صورتوں میں محصور ہے۔اِن کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اُسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔

حدیث

سوال۔حدیث کیا ہے؟

جواب۔فنِ حدیث کی اصطلاح (Terminology) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب (یعنی کسی چیز پر نکیر - Objection - نہ کرنے اور اُسے درست قرار دینے) کی روایت (Narration) کو حدیث کہتے ہیں۔

سوال۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب یہ روایات (Narratives) ہم تک کیسے منتقل ہوئی ہیں؟

جواب۔یہ زیادہ تر اخبار آحاد (یعنی چند لوگوں کی روایت) کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں۔

اخبار آحاد

سوال۔اخبار آحاد سے کیا مراد ہے؟

جواب۔اصطلاح میں اخبار آحاد سے مراد وہ روایات ہیں جن کے راویوں (Narrators) کی تعداد ہر دور میں ایک ایک ہو یا پھر ایک سے زیادہ بھی ہو تو وہ گنتی کی تعداد ہو، تواتر کی حد تک نہ پہنچتی ہو۔یعنی روایت کرنے والا ہر طبقے اور نسل میں ایک بھی ہو سکتا ہے اور ایک سے زیادہ بھی، البتہ اتنے نہ ہوں کہ اُسے ہم متواتر کہہ سکیں اور یہ کہا جا سکے کہ اِس میں کسی شک کی گنجائش یا جھوٹ کا امکان باقی نہیں رہا۔دوسرے الفاظ میں جو روایت اجماع و تواتر کے طریقے پر نقل نہ ہوئی ہو، وہ خبر واحد ہے۔

قرآن و سنت کے ساتھ اخبار آحاد کا تعلق اور دین میں اُن کا دائرۂ کار

سوال۔قرآن و سنت کے ساتھ حدیث کے اخبار آحاد کا تعلق اور دین میں اُن کا دائرۂ کار کیا ہے؟

جواب۔ اِس حوالے سے ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اخبارِ آحاد سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی یقین کے درجہ کو نہیں پہنچتا، اِس لیے دین میں اِن سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔ دین سے متعلق جو چیزیں ذخیرۂ حدیث میں آتی ہیں، وہ درحقیقت، قرآن وسنت میں محصور (Confined) دین کی شرح ووضاحت اور اُس پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ (یعنی بہترین نمونے) کا بیان ہے۔ حدیث کا دائرہ یہی ہے۔ یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے۔

حدیث کی اہمیت

سوال۔ حدیث کی اہمیت کیا ہے؟

جواب۔ حدیث کی اہمیت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح، آپ کے اُسوۂ حسنہ اور دین سے متعلق آپ کی شرح ووضاحت کے جاننے کا سب سے بڑا اور اہم ترین ذریعہ حدیث ہی ہے۔ لہٰذا اس کی یہ اہمیت اِس درجہ میں مانی ہوئی ہے کہ دین کا کوئی طالب علم اِس سے کسی طرح بے پروا نہیں ہوسکتا۔

حدیث کے ردوقبول کے اُصول

تحقیق سند

سوال۔ سند سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ علم حدیث کی اصطلاح (Terminology) میں روایت کے اُس حصے کو سند کہتے ہیں جو روایت کرنے والوں کے ناموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جو چیز کسی بات کو حدیث کے درجے تک پہنچاتی ہے، وہ اُس کی سند ہی ہے۔

تحقیق سند کے لیے محدثین کا معیار

سوال۔ سند کی تحقیق کے لیے علماے حدیث کا مقرر کردہ معیار کیا ہے؟

جواب۔ سند کی تحقیق کے لیے محدثین نے جو معیار مقرر کیا ہے وہ ایسا قطعی ہے کہ اُس میں کسی کمی بیشی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کے مطابق مندرجہ ذیل چند پہلوؤں سے سند کی تحقیق کی جاتی ہے۔

ا) راویوں کی عدالت۔ یعنی تمام راویوں کے سیرت وکردار اور اُن کے اخلاق واوصاف کی تحقیق کی جائے کہ آیا اِس اعتبار سے سند میں کوئی ایسا راوی تو موجود نہیں ہے جو روایت پر اعتماد کو کمزور اور مجروح کرتا

ہو؟ ۵؎

ب) راویوں کا ضبط۔ یعنی یہ دیکھا جائے کہ سند کے تمام راوی روایت کو حفظ یا تحریر کی صورت میں محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچانے کی پوری صلاحیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟ کہیں سند میں کوئی ایسا راوی تو موجود نہیں ہے جسے اِس پہلو سے کمزور یا نا قابل اعتبار قرار دیا جا سکے؟

ج) سلسلۂ روایت کا اتصال۔ یعنی اِس بات کی تحقیق کی جائے کہ سند کی ابتدا سے انتہا تک ہر راوی نے اپنے اوپر کے راوی سے براہ راست وہ روایت لی ہے یا نہیں؟ اِس پہلو سے کہیں کوئی ایسا خلا تو موجود نہیں ہے جو روایت کے صحیح ثابت ہونے پر عدم اطمینان کا باعث بنتا ہو؟

د) سند کے علل۔ یعنی اِس بات کی تحقیق کی جائے کہ سند میں کہیں مزید کوئی مخفی (Hidden) نقائص اور خرابیاں تو موجود نہیں ہیں جو روایت پر اعتماد کرنے اور اُسے قبول کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہوں۔ اور جس کے نتیجہ میں روایت نا قابل اعتبار قرار پاتی ہو۔

سند کے یہ تمام پہلو انتہائی باریک بینی کے ساتھ، معلومات کے اُس ذخیرے کی روشنی میں دیکھنے چاہییں جو راویوں کی شخصیات کا علم رکھنے والے ماہرین نے اِس باب میں فراہم کر دیا ہے۔

تحقیق سند کی اهمیت

سوال۔ سند میں اِس طرح کی تحقیق کرنے کی کیا اہمیت ہے؟

جواب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دین کا تنہا ماخذ ہے۔ اِس لیے حدیث میں تحقیق سند کی اہمیت بہت ہی غیر معمولی ہے۔ آپ کے حوالے سے کسی مشتبہ بات کی روایت چونکہ دنیا اور آخرت، دونوں میں بڑے سنگین نتائج کا باعث بن سکتی ہے، اِس لیے یہ ضروری ہے کہ سند کی تحقیق کے اِس معیار کا اطلاق آپ سے متعلق ہر روایت پر بغیر کسی رورعایت کے اور نہایت غیر جانب دارانہ طریقے پر کیا جائے اور صرف وہی روایتیں قابل اعتنا (Considerable) سمجھی جائیں جو اِس پر ہر لحاظ سے پورا اُترتی ہوں۔ اُن کے علاوہ کسی چیز کو بھی، خواہ وہ حدیث کی اُمہاتِ کتب (Basic source books)، بخاری ومسلم اور موطا امام مالک ہی میں کیوں نہ بیان ہوئی ہو، آپ کی نسبت سے ہرگز کوئی

۵؎ صحابۂ کرام کی عدالت، البتہ اِس سے مستثنیٰ ہے، اِس لیے کہ اُس کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دی ہے۔ ملاحظہ ہو: آل عمران ۳: ۱۱۰۔

اہمیت نہ دی جائے۔

تحقیق متن

سوال۔متن سے کیا مراد؟

جواب۔راویوں کے ناموں کے سلسلہ(Chain of Narrators) کے بعد روایت کا جو حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یا تقریر وتصویب کے بیان پر مشتمل ہوتا ہے ،اصطلاح میں اُسے متن(Text) کہتے ہیں۔سند کی تحقیق کے بعد دوسری چیز حدیث کا یہ متن ہی ہے جس کی تحقیق کی جاتی ہے۔

تحقیق متن کی ضرورت

سوال۔سند کی تحقیق کے بعد حدیث کے متن کی تحقیق کی ضرورت کیوں باقی رہتی ہے؟

جواب۔راویوں کی سیرت وکرداراوراُن کے سوانح وحالات سے متعلق صحیح معلومات تک رسائی کے لیےعلماے محدثین نے اگرچہ انسانی سعی وجدوجہد کے اعتبار سے کوئی کمی نہیں چھوڑی اور اِس کام میں اپنی عمریں کھپادی ہیں،لیکن ہرانسانی کام کی طرح سند کی تحقیق میں بھی جوفطری خلااس کے باوجود باقی رہ گئے ہیں اور جنھیں معمولی غور وتدبر سے سمجھا جاسکتا ہے،اُن کے پیش نظرمتن کی تحقیق کی ضرورت بہرحال باقی رہتی ہے۔

تحقیق سند کے فطری خلا

سوال۔سند کی تحقیق کے یہ فطری خلا کیا ہیں؟

جواب۔امام امین احسن اصلاحیؒ نے اِس موضوع پر اپنی تالیف ’’مبادی تدبر حدیث‘‘ میں سند کی تحقیق کے یہ خلا تفصیل سے بیان کیے ہیں۔مختصر طور پر ہم اُنھیں یہاں بیان کیے دیتے ہیں:

1) سند کی تحقیق میں پہلا خلا یہ ہے کہ بلا شبہ ائمۂ محدثین نے راویوں کی تحقیق میں انسانی استطاعت کی حد تک بڑی ہی جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ہمیں اِس حقیقت کا اعتراف ہے۔تاہم یہ ایک انسانی کام ہے۔ہزاروں لاکھوں لوگوں کی سیرت وکردار،علم وعمل اور اخلاق واوصاف کی ایسی تحقیق کر لینا کہ اُن کے بارے میں حتمی طور پر یہ طے کیا جاسکے کہ حدیث کو محفوظ کرنے اور اُسے روایت کرنے کے باب میں اُن پر اطمینان کیا جاسکتا ہے یا نہیں،کوئی آسان کام نہیں ہے؛ بہت ہی مشکل کام ہے۔اِس طرح کی تحقیق ہم اگر

اپنے علاقہ اور اپنے شہر کے لوگوں کے بارے میں بھی کرنا چاہیں،تب بھی آسان نہیں ہے۔یہ کام اُس وقت اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب اُن لوگوں سے ہماری براہ راست ملاقات نہ ہو،معاملات میں اُن سے کبھی سابقہ نہ پڑا ہو،ہمارے اور اُن کے مابین زمانی اور علاقائی دُوری ہو۔اِس طرح کے معاملات میں بعض اوقات ایک ذہین فہیم آدمی بھی غلطی کر سکتا ہے۔غرض یہ کہ اِس قسم کی انسانی تحقیق کے بعد ہمیں ایک محتاط رائے قائم کرنی چاہیے۔اُسے ہم قطعی اور یقینی نہیں کہہ سکتے۔اور وہ محتاط رائے یہ ہو سکتی ہے کہ فی الجملہ (Overall) ہمیں اُن راویوں کے کوائف معلوم ہیں اور اب اُن کی شخصیات نامعلوم نہیں رہی۔اِس تحقیق کے نتائج کو حتمی اور یقینی قرار دینا اپنی معلومات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

2) دوسرا خلا یہ ہے کہ لوگوں کے بارے میں مثبت یا منفی رائے قائم کرنے کا کام،جسے اصطلاح میں ’جرح وتعدیل‘ کہتے ہیں،اپنے اندر بڑی نزاکت رکھتا ہے۔یہ دوسرا خلا اِسی نزاکت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ہر تحقیق کرنے والا آخری درجہ میں اِس بات کو نہیں سمجھ سکتا کہ کن بنیادوں پر کسی شخص کے بارے میں مثبت رائے قائم کی جائے اور کن بنیادوں پر ایک راوی کو ناقابل اعتبار سمجھ کر اُس کی روایت کو رد کر دیا جائے۔یہ کام تقاضا کرتا ہے کہ خود اِس کی ذمہ داری اُٹھانے والے کی شخصیت میں علم واخلاق، فقہ وبصیرت، تجربے اور معقولیت کے اوصاف پائے جاتے ہوں۔بلا شبہ حدیث کے راویوں کا علم رکھنے والے ماہرین اِس پہلو سے بلند شخصیات کے حامل تھے،لیکن بہرحال وہ انسان ہی تھے۔حدیث کے راویوں کے بارے میں اُن کی فراہم کردہ معلومات اور اُن پر مبنی آرا،عام انسانی جبلت(Nature) میں موجود تعصب کے شائبہ سے پاک نہیں ہو سکتیں۔اور یہ تعصب حمایت یا مخالفت دونوں ہی صورتوں میں پایا جاسکتا ہے۔اِس کام کی اِن مشکلات کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی محتاط طرز عمل یہ ہے کہ سند کے راویوں سے متعلق اِس فن کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں فی الجملہ ایک رائے قائم کی جائے۔اُس کے نتائج کو قطعیت کا درجہ نہ دیا جائے۔

3) سند کی تحقیق میں تیسرا خلا یہ ہے کہ عموماً ہمارے علماے محدثین نے،سوائے اُس احتیاط کے جو امام مالکؒ سے متعلق نقل ہوئی ہے،اہل بدعت،خصوصاً دین سے انحراف پر مبنی مذاہب کے لوگوں سے روایات لینے میں بڑی نرمی اور چشم پوشی سے کام لیا ہے۔بس اتنی احتیاط وہ فرماتے ہیں کہ اُن کے خیال میں ایسا راوی اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو۔گویا اُن کے نزدیک محض اہل بدعت سے روایات لینے

میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اِس معاملے میں درست رائے یہ ہے کہ کسی راوی کا محض اہل بدعت یا کسی ایسے گروہ سے ہونا جو اللہ اور اُس کے رسول کے اصل دین سے انحراف پر قائم ہے، حدیث کی روایت کے اعتبار سے ناقابل اعتبار ہونے کے لیے کافی ہے، اگرچہ وہ اپنی بدعت کا داعی نہ ہو۔ اِس لیے کہ ایسے راویوں کو اپنی بدعت کے حق میں، اور اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے روایات کا سہارا لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور اُن کے لیے روایات میں خیانت کے سوا کوئی چارہ نہیں، کیوں کہ اُن کے مذاہب بہرحال بدعت ہی پر قائم ہیں، اللہ اور اُس کے رسول کی نسبت سے ثابت نہیں ہیں۔ ایسے راویوں کی روایتیں قبول کرنے کی گنجائش رکھنے سے، جیسا کہ ماضی میں ہوا ہے، دین میں فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

4) چوتھا خلا یہ ہے کہ علماے محدثین نے حلال وحرام سے متعلق حدیثیں قبول کرنے میں تو فی الجملہ احتیاط برتی ہے، لیکن اُن روایات کی تحقیق کے باب میں عمداً صرفِ نظر اور نرمی برتی ہے، جن میں اعمال صالحہ کے فضائل، اُن کی ترغیب کے مضامین یا اُنھیں ترک کرنے پر آخرت کی گرفت اور وعید کا بیان ہے۔ خطیب بغدادیؒ کی 'الْکِفَایَة فِی عِلْمِ الرِّوَایَة' میں اِس حوالے سے امام احمد بن حنبلؒ کا قول اِس طرح نقل ہوا ہے:

إِذَا رَوَيْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالسُّنَنِ وَالْأَحْكَامِ تَشَدَّدْنَا فِي الْأَسَانِيْدِ، وَإِذَا رَوَيْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ وَمَا لَا يَضَعُ حُكْمًا وَلَا يَرْفَعُهُ تَسَاهَلْنَا فِي الْأَسَانِيْدِ۔ (۱/۱۳۴)

''ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام اور سنن واحکام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو سند کے معاملے میں پوری احتیاط برتتے ہیں، لیکن اگر معاملہ فضائل اعمال وغیرہ کا ہو، جس سے نہ کوئی حکم قائم ہوتا ہو، نہ کوئی حکم منسوخ ہوتا ہو، تو اُس کی سند میں ہم تساہل برتتے ہیں''۔

گویا محدثین نے سند کی تحقیق کو صرف اُن روایتوں میں قابل اعتبار سمجھا، جن میں کسی نوعیت کے احکام تھے۔ اُن کے نزدیک حلال وحرام اور سنن واحکام کے سوا باقی معاملات سے متعلق سند کی تحقیق میں تساہل اور نرمی برتنے کے نتیجے میں دین پر کوئی منفی اثرات نہیں پڑیں گے۔ ہمارے نزدیک سند کی تحقیق کے اِس خلا کے نتیجے میں دین کے باب میں بڑی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے غیر مستند روایتوں کا ایک پورا دفتر اِس کے نتیجے میں کھل گیا ہے، اور اُس سے من پسند تصوراتِ

دین نے جنم لیا ہے، دین کا اصل چہرہ مسخ ہوا ہے۔ بالخصوص اہل تصوف کے اصل دین سے انحراف پر مبنی خیالات اور تصوراتِ اعمال بھی بیشتر اِسی تساہل کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔

تحقیق متن کے اُصول

سوال۔ متن (Text) کی تحقیق میں کیا چیزیں دیکھی جاتی ہیں؟

جواب۔ متن کے حوالے سے دو چیزیں لازماً دیکھنی چاہییں:

☆ ایک یہ کہ متن میں کوئی چیز قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

☆ دوسرے یہ کہ علم وعقل کے مسلمات (یعنی مانی ہوئی باتوں) کے خلاف نہ ہو۔

سوال۔ متن کے لیے یہ بات کیوں ضروری ہے کہ اُس میں کوئی چیز قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو؟

جواب۔ دین میں قرآن کی حیثیت میزان اور فرقان کی ہے۔ یعنی وہ دین کے معاملے میں کسوٹی اور فیصلہ کن چیز ہے۔ وہ دین کے حوالے سے ہر چیز پر نگران ہے اور حق وباطل میں فرق کے لیے اُسے ایک فیصلہ کن کتاب کی حیثیت سے اُتارا گیا ہے، لہٰذا یہ بات تو مزید کسی دلیل کا تقاضا نہیں کرتی کہ کوئی چیز اگر قرآن کے خلاف ہے تو اُسے لازماً رد ہونا چاہیے۔

یہی معاملہ سنت کا ہے۔ دین کی جو ہدایت ہمیں اِس ذریعے سے ملی ہے، اُس کے متعلق بھی یہ بات اِس سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ واضح ہو چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قرآن ہی کی طرح پورے اہتمام کے ساتھ جاری فرمایا ہے۔ ثبوت کے اعتبار سے اُس میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح اُمت کے اجماع (یعنی کامل اتفاق) سے ثابت ہے، یہ بھی اُسی طرح اُمت کے اجماع ہی سے اخذ کی جاتی ہے۔ سنت سے متعلق یہ حقائق چونکہ بالکل قطعی ہیں، اِس لیے خبر واحد اگر سنت کے منافی ہے اور دونوں میں موافقت پیدا کرنے کی کوئی صورت تلاش نہیں کی جاسکتی تو اُسے بہرحال رد ہی کیا جائے گا۔

سوال۔ یہ بات تو واضح ہو گئی، لیکن اب سوال یہ ہے کہ خبر واحد کو قبول کرنے کے لیے یہ کیوں ضروری ہے کہ وہ علم وعقل کی مانی ہوئی باتوں کے خلاف بھی نہ ہو؟

جواب۔ اِس لیے کہ اِس باب میں علم عقل کے مسلمات کی حیثیت بھی وہی ہے جو خود قرآن وسنت کی ہے۔ قرآن اِس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ اُس کی دعوت تمام تر اِنھی مسلمات پر مبنی ہے۔ توحید اور

آخرت جیسے بنیادی مباحث میں بھی اُس کا استدلال اصلاً اِنہی علم وعقل کی مانی ہوئی باتوں پر قائم ہے۔اور اِنہی کے تقاضے اور مطالبات وہ اپنی تعلیمات سے لوگوں کے سامنے نمایاں کرتا ہے۔قرآن کا ہر طالب علم اِس بات سے واقف ہے کہ قرآن اپنی دعوت کے لیے علم وعقل کے اِن مسلمات کو فیصلہ کن چیز کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔اُس نے مشرکین عرب کے سامنے بھی اِنھیں قول فیصل کے طور پر پیش کیا اور یہود ونصاریٰ کے سامنے بھی۔علم وعقل کی مانی ہوئی باتوں کے مخالفین کو قرآن خواہش نفس کے پیرو قرار دیتا ہے۔لہٰذا وہ چیزیں جنھیں خود قرآن نے حق و باطل میں امتیاز کے لیے معیار ٹھیرایا ہے، اُن کے خلاف کوئی خبر واحد آخر کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے؟

سوال۔علم وعقل کے مسلمات کی حیثیت سے قرآن میں کیا چیزیں زیر بحث آئی ہیں؟

جواب۔انسان کے لیے اُس کے وجدان کی وہ حقیقتیں جنھیں وہ اپنے اندر پاتا ہے، تاریخ کی صداقتیں اور اُس کے مسلمہ واقعات، اور وہ ثمرات ونتائج جنھیں انسان اِس دنیا میں اپنے تجربے اور مشاہدے سے حاصل کرتا ہے؛ یہ سب چیزیں قرآن میں انسان کے لیے علم وعقل کے مسلمات ہی کی حیثیت سے زیر بحث آئے ہیں۔

تحقیق متن کے باب میں ائمۂ محدثین کا نقطۂ نظر

سوال۔متن کی تحقیق کے حوالے سے علماے محدثین کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

جواب۔اُن کا نقطۂ نظر بھی اِس معاملے میں وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔''اَلْکِفَایَة فِی عِلْمِ الرِّوَایَة'' فن حدیث کی اُمّ الکتاب ہے۔اُس کے مصنف خطیب بغدادی (وفات: ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يُقْبَلُ خَبَرُ الْوَاحِدِ فِيْ مُنَافَاةِ حُكْمِ الْعَقْلِ وَحُكْمِ الْقُرْآنِ الثَّابِتِ الْمُحْكَمِ وَالسُّنَّةِ الْمَعْلُوْمَةِ وَالْفِعْلِ الْجَارِيْ مَجْرَى السُّنَّةِ وَكُلِّ دَلِيْلٍ مَقْطُوْعٍ بِهِ۔(۴۳۲)

''خبر واحد (یعنی حدیث) اُس صورت میں قبول نہیں کی جائے گی، جب عقل اپنا فیصلہ اُس کے خلاف سنا دے؛ وہ قرآن کے کسی ثابت اور محکم حکم کے خلاف ہو، سنت معلومہ یا ایسے کسی عمل کے خلاف ہو جو سنت ہی کی طرح جاری وساری ہو؛ کسی دلیل قطعی (یعنی یقینی دلیل) سے اُس کی منافات (Contradiction) واضح ہو جائے''۔

فہم حدیث کے اُصول

سوال۔یہ تمام اُصول تو حدیث کو قبول یا رد کرنے کے حوالے سے ہوئے۔اِن اُصولوں کو سامنے رکھ کر جو روایتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے صحت کے ساتھ ثابت ہوں، اُن کا صحیح فہم کیسے حاصل کیا جائے؟ کیا حدیث کو درست طور پر سمجھنے میں بھی کچھ ایسی بنیادی چیزیں ہیں، جنھیں اگر پیش نظر نہ رکھا جائے تو حدیث کے ایک طالب علم کو اُس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے؟

جواب۔حدیث کا صحیح فہم حاصل کرنے اور اُس کا درست مدعا متعین کرنے کے لیے مندرجہ ذیل چند اُصول (Principles) ہیں، جنھیں لازماً پیش نظر رکھنا چاہیے:

پہلا اُصول: عربیت کا ذوق

☆ عربی زبان کی مہارت اور اُس کے صحیح ذوق کی بنیاد پر حدیث کو سمجھا جائے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ حدیث کی زبان بھی اصلاً قرآن کی طرح عربی معلّٰی ہے۔یعنی وہ اُس طرح کی معیاری عربی زبان ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قبیلۂ قریش کے لوگ مکہ میں بولتے تھے۔اِس میں شبہ نہیں کہ حدیث کی روایت زیادہ تر مختلف زمانوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے راویوں کے ذریعے سے جس طریقے سے ہوئی ہے، اُس کے نتیجے میں قرآن کے مقابلے میں حدیث کی زبان کے اِس معیار میں کچھ کمی ضرور واقع ہوئی ہے۔لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زبان اِس کے باوجود اِس میں اتنی محفوظ ضرور رہی ہے کہ اُسے اِس زبان کو جاننے والا ایک صاحب ذوق بہت حد تک دوسری چیزوں سے الگ پہچان سکتا ہے۔قرآن کی طرح اِس زبان کا بھی ایک خاص معیار ہے جو اپنے سے کم تر کسی چیز کا پیوند اپنے ساتھ گوارا نہیں کرتا۔چنانچہ حدیث کے طلبہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ بار بار کے مطالعے سے اِس زبان کی ایسی مہارت اپنے اندر پیدا کر لیں کہ اُنھیں محض زبان ہی کی بنیاد پر اُن روایتوں کو رد کر دینے میں کوئی تردد اور تشویش نہ ہو جو اپنی زبان کے معیار ہی سے اِس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہو سکتا۔اِسی طرح طلبۂ حدیث ایسی مہارت حاصل کر لیں کہ حدیث کے مشکل اسالیب کو سمجھنے میں وہ کوئی دقت محسوس نہ کریں۔لغوی اور نحوی (Linguistic & Grammatical) مشکلات کے حل کے لیے بھی یہ مہارت بہر صورت لازم ہے۔اِس زبان کے ماہرین فن نے جو کچھ اِس باب میں لکھا ہے، اُس پر آدمی کی نظر عالمانہ ہونی چاہیے۔زبان کی باریکیوں اور

عربی زبان کے اسالیب(Expressions) سے واقفیت کے بغیر کوئی شخص بھی حدیث کی مشکلات کو حل نہیں کرسکتا۔

دوسرا اُصول: قرآن کی روشنی

☆ حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جائے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جائے۔ حدیث کو درست طور پر سمجھنے کے لیے اِس اُصول کو لازماً پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اِس لیے کہ دین میں قرآن کا مقام، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، میزان اور فرقان کا ہے۔ یعنی وہ دین کے معاملے میں کسوٹی اور فیصلہ کن چیز ہے۔ وہ دین کے حوالے سے ہر چیز پر نگران ہے اور حق و باطل میں فرق کے لیے اُسے ایک فیصلہ کن کتاب کی حیثیت سے اُتارا گیا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی و رسول کی حیثیت سے کم و بیش تئیس سال کے عرصے میں جو کچھ کیا، اُس کی تفصیلات کو جاننے کے ذرائع تو اِس میں شبہ نہیں کہ ذخیرۂ حدیث اور تاریخ بھی ہیں، لیکن سب سے مستند اور یقینی ذریعۂ معلومات اِس باب میں بھی قرآن ہی ہے۔ لہٰذا حدیث کے زیادہ تر مضامین کا تعلق قرآن سے وہی ہے جو مثال کے طور پر کسی درخت کی شاخ کا اُس کی جڑ کے ساتھ یا کسی شرح(Explanation) کا اپنے متن(Text) کے ساتھ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جڑ کو دیکھے بغیر شاخ کو سمجھنا اور متن کو دیکھے بغیر شرح کو سمجھنا کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔ حدیث کو سمجھنے میں جو غلطیاں اب تک ہوئی ہیں، اُن کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کے زیادہ تر مضامین کا تعلق قرآن کے ساتھ اسی نوعیت کا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعض واقعات، آپ کے بہت سے ارشادات اور احکام جو اُلجھنوں کا باعث بنے تو اِسی وجہ سے بنے کہ اُنھیں قرآن میں اُن کی اصل اور بنیاد سے متعلق کر کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حدیث کے فہم میں اِس اُصول کو ملحوظ رکھا جائے تو اُس کی بیش تر اُلجھنیں بالکل صاف ہو جاتی ہیں۔

تیسرا اُصول: موقع ومحل

☆ حدیث کے مضمون کا موقع و محل سمجھ کے اُس کا مدعا متعین کیا جائے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ حدیث میں جو مضمون بیان ہوا ہے، اُس کے موقع و محل کو سمجھ کر اُس کا مدعا متعین کیا جائے۔ یہ دیکھا جائے کہ بات کس وقت کی گئی، کس سلسلے میں کی گئی، کن لوگوں سے کی گئی اور کس

حیثیت سے کی گئی، یہ سب چیزیں اگر ملحوظ نہ رکھی جائیں تو نہایت واضح باتیں بھی بسا اوقات ایسی صورت اختیار کر جاتی ہیں کہ اُنھیں کسی طرح بھی سمجھا نہیں جا سکتا۔ حدیث کو سمجھنے میں اِس اُصول کی اہمیت غیر معمولی ہے۔ اِس اُصول کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ایک مشہور حدیث ہے کہ: اَلْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ۔ ''حکمران قریش میں سے ہوں گے'' (احمد، رقم: ۱۲۳۲۹)۔ اِس روایت کے ظاہرِ الفاظ سے ہمارے علما، اِس کے صحیح موقع و محل کو متعین نہ کرنے کی بنا پر، اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمانوں کے حکمران صرف قریش میں سے ہوں گے۔ روایت کا مفہوم اگر یہی ہے تو ایک طرف یہ قرآن کے خلاف ہے، دوسری طرف یہ بات اِسی مفہوم کے ساتھ اگر مان لی جائے تو اسلام اور برہمنیت میں کم سے کم سیاسی نظام کی حد تک کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ اِس مغالطے کی وجہ محض یہ ہوئی کہ ایک بات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد کی سیاسی صورت حال کے لحاظ سے کی گئی تھی، اُسے دین کا مستقل حکم سمجھ لیا گیا۔ حدیث کے ذخیرے میں اِس طرح کی روایتیں بہت ہیں اور اُن کے مضامین اور موضوعات بھی نہایت اہم ہیں۔ اُن کا درست منشا سمجھنے میں اِس اُصول کی رعایت بہرصورت لازم ہے۔

چوتھا اُصول: احادیثِ باب پر نظر

☆ زیرِ غور حدیث کے موضوع اور مضمون کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر اُس کے مفہوم کو متعین کیا جائے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ کسی حدیث کا مدعا متعین کرتے وقت اُس باب اور موضوع کی تمام روایات پیشِ نظر رکھی جائیں۔ اِس لیے کہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے، لیکن اُسی موضوع اور مضمون کی تمام روایتوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ اِس کی ایک مثال تصویر سے متعلق روایتیں ہیں۔ اُن میں سے بعض کو دیکھیے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی تصاویر ممنوع قرار دی گئی ہیں، لیکن تمام روایتیں جمع کیجیے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ممانعت کا حکم صرف اُن تصویروں کے بارے میں ہے جو پرستش کے لیے بنائی گئی ہوں۔ حدیث کے ذخیرے سے اِس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کسی حدیث کے مفہوم میں تردد ہو تو اُس موضوع کی تمام احادیث کو جمع کیے بغیر اُس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہ کی جائے۔

پانچواں اُصول: عقل ونقل(Common sense & Narrations)

☆ حدیث کو سمجھنے میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ عقل و نقل میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ اِس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے حدیث کو سمجھا جائے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہے؛ اُس میں اور علم وعقل کے مسلمات (یعنی مانی ہوئی باتوں) میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اوپر حدیث کے ردوقبول کے اُصول بیان کرتے ہوئے ہم واضح کر چکے ہیں کہ دین کی بنیاد ہی علم وعقل کے مسلمات پر قائم ہے، لہٰذا کوئی چیز اگر اُن مسلمات سے مختلف نظر آتی ہے تو اُس پر بار بار غور کرنا چاہیے۔ اِس طرح کے مواقع پر آدمی فوراً حدیث کو رد کر کے فارغ ہو جائے تو یہ کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔ اور اگر علم وعقل سے آنکھیں بند کر کے اُس روایت کے کوئی غلط یا نا قابلِ قبول معنی متعین کر لے تو یہ بھی کوئی درست رویہ نہیں ہے۔ اہلِ علم وتحقیق کا کام بتاتا ہے کہ روایت کو جب صحیح پہلو سے دیکھا تو بات ہر لحاظ سے واضح ہو جاتی ہے اور اُس میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ یہ چیز ظاہر ہے کہ اُسی وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب پورے یقین کے ساتھ مانا جائے کہ علم وعقل کے مسلمات اور اُن روایتوں میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہیں؛ کوئی تضاد نہیں ہوسکتا۔ ماضی اور حال میں جن محققین نے اِس اُصول کو ملحوظ رکھا ہے، اُن کی تحقیقات میں اس کے نتائج وثمرات جگہ جگہ دیکھ لیے جاسکتے ہیں۔ حدیث کے فہم میں اِس چیز کو بھی کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث اور سنت میں فرق

سوال۔ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے؟ اِن دونوں کا تقابل کیسے کیا جائے؟

جواب۔ حدیث اور سنت کے فرق کو نمایاں کرنے والے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر اگر آپ ایک نظر ڈالیں تو اِن کے مابین فرق آپ پر پوری طرح واضح ہو جائے گا:

لغوی معنی میں فرق

حدیث اور سنت، دونوں لفظ اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ حدیث کے معنی بات، قول، اور کلام کے ہیں اور یہ لغت میں جدید یعنی نئی چیز کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جبکہ سنت کے معنی پٹے ہوئے راستے، عام طریقے اور جاری وساری عمل کے ہیں۔

اصطلاحی اعتبار سے فرق

اصطلاح میں حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی روایت کو کہا جاتا ہے، جبکہ سنت، قرآن کے علاوہ اللہ کے دین کے دوسرے ماخذ (Source) کو کہتے ہیں۔

استعمالاتِ زبان کے اعتبار سے فرق

حدیث اور سنت کے الفاظ کو اگرچہ بعض اوقات لوگ مترادف کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں، لیکن اُس سے یہ غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیے کہ اِن دونوں کی حقیقت بھی ایک ہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر جگہ حدیث اور سنت کو مترادف کے طور پر استعمال کیا بھی نہیں جا سکتا۔ مندرجہ ذیل چند مثالوں سے آپ اِس مقدمے کو سمجھ سکتے ہیں:

1) 'اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي' کے بجائے اگر ہم کہیں: 'اَلنِّكَاحُ مِنْ حَدِيْثِي' تو بالبداہت واضح ہے کہ اِس جملہ کو غلط قرار دینے میں کسی شخص کو تردد نہیں ہوسکتا۔ اِس مثال سے واضح ہے کہ حدیث اور سنت دو مختلف چیزیں ہیں۔ اِنہیں مترادف کے طور پر استعمال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

2) اگر کہا جائے کہ ملاقات کے موقع پر 'اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ' اور اُس کا جواب دینا سنت ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات ہر پہلو سے درست ہے۔ لیکن اگر ہم کہیں کہ یہ عمل حدیث ہے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ یہاں حدیث کے لفظ کا استعمال درست نہیں ہے۔ یہ مثال بھی پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر رہی ہے کہ حدیث اور سنت دو متفرق چیزیں ہیں۔

3) اگر کوئی شخص کہے کہ لڑکوں کا ختنہ کرنا حدیث ہے تو اُس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ یہ عمل حدیث نہیں، بلکہ سنت ہے۔ اِسے حدیث کے لفظ سے تعبیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اِس مثال سے بھی ہر شخص حدیث وسنت کے فرق کو با آسانی سمجھ سکتا ہے۔

4) اسی طرح اگر کہا جائے کہ نماز کے قیام میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'حدیث' کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اِس بیان کو بھی ہر لحاظ سے غلط ہی قرار دیا جائے گا۔ صحیح تعبیر یہ ہوگی کہ آپ نے اِسے 'سنت' کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ یہ مثال بھی واضح کر رہی ہے کہ حدیث کا مصداق اور ہے اور سنت کا کچھ اور۔

دینی حیثیت میں فرق

سنت کی حیثیت قرآن کے علاوہ اللہ کے آسمانی دین اور اُس کی شریعت کی ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ جبکہ حدیث خدا کا نازل کردہ دین ہے، نہ وہ آسمانی شریعت کی حیثیت رکھتی

ہے۔ یہ تو اصلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح، اُن کے فہمِ دین کا بیان اور اُسی دین پر اُن کے عمل کا تاریخی ریکارڈ ہے۔

ماخذ و مصدر کے اعتبار سے فرق

سنت کا ماخذ ومصدر (Source) محمد رسول اللہ کی ذاتِ والا صفات ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ سنت کو دین میں اُس کی حیثیت کے پیشِ نظر آپ نے بذاتِ خود پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ، ایک متعین شکل میں، اللہ کے دین کی حیثیت سے اپنے تمام ماننے والوں میں باقاعدہ طور پر جاری فرمایا ہے۔ آپ اِسی کے مکلّف تھے۔ جبکہ حدیث کا معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی حفاظت، تبلیغ واشاعت اور تدوین وکتابت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔ حدیث کی روایت کا آغاز آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوا ہے۔ اُس کی تفصیل ہم اِس طرح کر سکتے ہیں کہ صحابہؓ میں سے جس نے چاہا اپنے ذوق کے مطابق، جو کچھ اُس کے علم میں تھا، اپنے حفظ وضبط ہی کی بنیاد پر، فطری جذبۂ ابلاغ کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس روایت کو اُس کے طلبہ میں منتقل کیا اور ضرورت کے مواقع پر بیان فرمایا۔

ذریعۂ انتقال اور ثبوت کے لحاظ سے فرق

سنت کا ذریعۂ انتقال اُمت کا اجماع اور تواترِ عملی ہے۔ چنانچہ اِس کا ثبوت قرآن ہی کی طرح بالکل یقینی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِس کی نسبت علمِ یقین کے درجے میں ثابت ہوتی ہے، جس کے بعد سنت کے بارے میں کسی بحث اور اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ سنت کے حوالے سے صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع کی بحث بھی سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی۔ جبکہ حدیث کا معاملہ اِس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اخبارِ آحاد (یعنی چند لوگوں کی روایت) کے طریقے پر نقل ہوئی ہے۔ اور اخبارِ آحاد سے کسی چیز کا روایت ہونا جیسے اُس کے ثبوت کو قطعیت کا درجہ نہیں دیتا، ویسے ہی اُس سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی علمِ یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔ چنانچہ معلوم ہے کہ حدیث کے ثبوت پر بحث وتحقیق ہوتی ہے اور اُس کے نتیجہ میں کوئی روایت صحیح، کوئی ضعیف اور کوئی موضوع بھی قرار پاتی ہے۔ کسی روایت کو قبول کیا جاتا ہے اور کوئی رد کر دی جاتی ہے۔

نوعیتِ انتقال میں فرق

سنت کو اصلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے جاری فرمایا تھا، وہ ہو بہو ویسے ہی اپنی اصل شکل میں، بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے منتقل ہوئی اور آج بھی اُسی صورت میں اُمت کے پاس موجود ہے۔ جبکہ حدیث کے بارے میں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُس کی روایت میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اُسے باللفظ ہی روایت کیا جائے۔ بالعموم وہ روایت بالمعنیٰ ہی کے طور پر نقل ہوتی ہے۔ یعنی راوی اُس میں جو بات روایت کرتے ہیں، اُسے جیسے سمجھتے ہیں، بالعموم اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔

مشمولات کے اعتبار سے فرق

مشمولات (Contents) کے اعتبار سے دیکھا جائے تب بھی حدیث اور سنت کئی پہلوؤں سے دو بالکل متفرق چیزوں کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں:

1) مشمولات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو سنت کے لیے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہو۔ جبکہ حدیث کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اُس کے مشمولات میں یہ چیز شرط نہیں ہے۔ حدیث کے ذخیرے کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں دینی نوعیت کے مضامین بھی ہیں جیسے دین کی شرح ووضاحت سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اُس پر عمل کے لیے آپ کے اُسوۂ حسنہ کا بیان۔ اِسی طرح ذخیرۂ حدیث میں اِس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہیں جن کا اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً قریش کے دورِ جاہلیت کے اعمال وتصورات کا بیان، ماضی کے اخبار، مستقبل کی پیشن گوئیاں، انبیا علیہم السلام کی تاریخ اور اُن کے قصے، نبوت سے پہلے اور بعد از نبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح کا بیان، آپ کے غزوات کی تفاصیل، اسفار کا بیان، عادات کا بیان اور اندازِ گفتار ورفتار کی روایات وغیرہ۔

2) سنت عملی نوعیت کی چیز ہے۔ اُس کے مشمولات (Contents) تمام تر انسان کی عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔ جبکہ حدیث کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ وہ اصلاً زبانی روایتوں کی نوعیت کی چیز تھی۔ پھر اُسے کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں محفوظ کیا گیا۔ اب اُس کا سارا ذخیرہ چند متعین کتابی مجموعوں سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اُس کے مشمولات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں عملی نوعیت کی چیزوں کے ساتھ ساتھ علم وعقیدہ اور ایمانیات سے متعلق مباحث بھی موجود ہیں، تاریخ کی

چیزیں بھی ہیں، تفسیر اور شانِ نزول کی روایات بھی ہیں اور انبیا کی قوموں کے حالات اور اُن کے فکر و عمل سے متعلق روایات بھی موجود ہیں۔ اُس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح بھی بیان ہوئی ہے۔ اِس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حدیث اور سنت اپنے مشمولات کے لحاظ سے بھی دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔

3) حدیث اور سنت کے مشمولات میں اِس اعتبار سے بھی ایک واضح فرق ہے کہ سنت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے قرآن کی شرح ووضاحت قرار دیا جاسکے۔ جبکہ حدیث کے ذخیرہ میں قرآنی احکام کی شرح ووضاحت پر مبنی روایات بھی موجود ہیں، تفسیر کی نوعیت کی چیزیں بھی ہیں اور یہاں تک کہ خود سنت سے متعلق شرح ووضاحت پر مبنی روایات بھی اُس میں موجود ہیں۔ حدیث کا ذخیرہ گویا متفرق چیزوں کا مجموعہ ہے۔

4) سنت کے بارے میں یہ اُصول بھی بالکل متعین ہے کہ اُس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال بھی شامل نہیں ہیں جنہیں آپ نے شریعت کے حکم کے طور پر نہیں، بلکہ اپنے شوق سے نفل کی حیثیت سے اختیار کیا ہے۔ آپ سے مروی اِس نوعیت کے تمام اعمال اگر کہیں پائے جاتے ہیں تو حدیث ہی میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ واضح ہوا کہ حدیث اور سنت دونوں کے مشمولات میں اِس پہلو سے بھی ایک واضح فرق ہے۔

5) سنت کے مشمولات میں ایسی چیزیں بھی نہیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محض فطرت کے بیان اور اُس کی رہنمائی کے طور پر صادر ہوئی ہوں۔ آپ سے منسوب اِس نوعیت کی تمام چیزیں، واقعہ یہ ہے کہ اگر کہیں پائی جاتی ہیں تو حدیث ہی میں پائی جاتی ہیں۔ جیسے پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت اور اچھے اخلاق اپنانے کی تاکید وتلقین۔ چنانچہ اِس سے بھی واضح ہوا کہ حدیث اور سنت دونوں کے مشمولات مختلف ہیں۔

6) سنت کے مشمولات کا معاملہ یہ ہے کہ اُس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اُن کے پوچھنے پر بتائی ہو یا لوگوں کی رہنمائی کے لیے اُنہیں بتائی تو ہو، لیکن اُس رہنمائی کی نوعیت ہی پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر دیتی ہے کہ اُسے اللہ کی ہدایت کے طور پر مقرر کرنا آپ کے پیش نظر ہی نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والی اِس نوعیت کی تمام ہدایات بھی اگر کوئی دیکھنا چاہے تو حدیث ہی کے ذخیرے میں دیکھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے آپ نے اپنی ایک دعاے استفتاح سیدنا ابوہریرہؓ کے پوچھنے پر اُنہیں بتائی اور قعدے کی دعا میں جب بعض لوگوں کی غلطی آپ کے سامنے آئی تو آپ نے اُن کی غلطی کی اصلاح فرما کر اُن کی رہنمائی فرمائی (مسلم، رقم ۱۳۵۴، ۸۹۷)۔

7) تمام سنن کو اگر سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اُن میں باہم کسی قسم کا کوئی تعارض اور تضاد موجود نہیں ہے۔ جبکہ ذخیرۂ حدیث کے بارے میں ہر شخص اِس حقیقت سے واقف ہے کہ اُس میں بے شمار ایسی روایتیں موجود ہیں جن میں باہم دگر تعارض اور تضاد پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھانا وضو کو توڑ دینے والی چیزوں میں سے ہے (مسلم، رقم ۷۸۸، ۷۸۹)۔ جبکہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے (مسلم، رقم ۷۹۰، ۷۹۱)۔

8) اعمالِ سنن میں کسی بھی ایسی چیز کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جو قرآن سے متصادم ہو، جبکہ حدیث کے ذخیرہ میں ایسی بہت سی روایتیں موجود ہیں جن میں قرآن سے تضاد اور تصادم پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق سیدنا عمر نے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے یہ بات بیان فرمائی کہ: ''بلا شبہ مردے کو اُس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے سنا تو قرآن کی بنیاد پر اِس روایت کی تردید فرمائی۔ اُنہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، بخدا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو کسی کے رونے کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں .... پھر فرمایا کہ (اِس معاملہ میں فیصلہ کن چیز کی حیثیت سے) تمہیں قرآن کی یہ آیت ہی کافی ہے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔ (مسلم، رقم ۲۱۵۰)

حدیث اور سنت میں فرق اور سلف کا نقطۂ نظر

سوال۔ کیا علمائے سلف کے ہاں بھی حدیث اور سنت کے مابین فرق کو ملحوظ رکھا جاتا تھا؟

جواب۔ اِس باب میں ہمارے قدیم علما کی رائے بھی وہی ہے جو اوپر ہم نے پیش کی ہے۔ حدیث اور سنت میں فرق کا لحاظ اُن کے ہاں بھی اِسی طرح رکھا جاتا تھا۔

احنافؒ کا موقف

امام سرخسیؒ اپنی کتاب 'اُصُولُ السَّرخسِی' میں احناف کے اُن اُصولوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جو حدیث کو پرکھنے کے لئے اُن کے نزدیک معیار کی حیثیت رکھتے ہیں:

فَأَمَّا الْقِسْمُ الْأَوَّلُ، وَهُوَ ثُبُوتُ الِانْقِطَاعِ بِدَلِيلٍ مُعَارِضٍ، فَعَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ:

إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ مُخَالِفًا لِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَوِالسُّنَّةِ الْمَشْهُوْرَةِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أَوْ يَكُوْنَ حَدِيْثًا شَاذًّا لَمْ يَشْتَهِرْ فِيْ مَا تَعُمُّ بِهِ الْبَلْوٰى وَيَحْتَاجُ الْخَاصُّ وَالْعَامُّ إِلٰى مَعْرِفَتِهِ أَوْ يَكُوْنَ حَدِيْثًا قَدْ أَعْرَضَ عَنْهُ الْأَئِمَّةُ مِنَ الصَّدْرِ الْأَوَّلِ بِأَنْ ظَهَرَ مِنْهُمُ الْإِخْتِلَافُ فِيْ تِلْكَ الْحَادِثَةِ وَلَمْ تَجْرِ بَيْنَهُمُ الْمُحَاجَةُبِذٰلِكَ الْحَدِيْثِ۔ (۳۶۴/۱)

''کسی دوسری دلیل سے متعارض (یعنی متصادم) ہونے کی وجہ سے حدیث کے منقطع اور نا قابل اعتبار ہوجانے کی چار صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ وہ روایت کتاب اللہ کے خلاف ہو، دوسری یہ کہ رسول اللہ کی سنت مشہورہ کے خلاف ہو، تیسری یہ کہ عمومِ بلویٰ میں کوئی شاذ اور غیر مشہور حدیث وارد ہو، حالانکہ (عمومِ بلویٰ کی نوعیت کی چیز ہونے کی بنا پر) اُس کی معرفت ہر خاص و عام کو ہونی چاہیے تھی۔ چوتھی یہ کہ کوئی ایسی حدیث ہو جس سے دورِ اوّل کے ائمہ نے اعراض کیا ہو، یعنی اُن کے مابین اُس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہوا ہو۔ اور اُس حدیث سے اُنہوں نے استدلال نہ کیا ہو''۔

امام سرخسیؒ کے اِس بیان سے واضح ہے کہ احناف کے ہاں حدیث اور سنت میں فرق کو نہ صرف یہ کہ ملحوظ رکھا جاتا ہے، بلکہ دونوں کو دو مختلف حیثیتوں سے مانا جاتا ہے۔ اُن کے نزدیک حدیث اور سنت اگر ایک ہی چیز ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے اُصول میں لکھتے کہ ''حدیث اگر سنت کے خلاف ہو تو نا قابل اعتبار قرار پائے گی''۔

امام مالکؒ کی رائے

ابن رُشدؒ اپنی کتاب 'بِدَایَة الْمُجْتَهِد ونِهَایَة الْمُقْتَصِد' میں رفعِ یدین کے بارے میں امام مالکؒ کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَمِنْهُمْ مَنِ اقْتَصَرَ بِهٖ عَلَى الْإِحْرَامِ فَقَطْ، تَرْجِيْحاً لِحَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَحَدِيْثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ۔ وَهُوَمَذْهَبُ مَالِكٍ لِمُوَا فَقَةِ الْعَمَلِ بِهٖ۔ (۹۷/۱)

''فقہا میں سے وہ بھی ہیں، جنھوں نے رفعِ یدین کو، عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے، صرف تکبیر تحریمہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اور یہی امام مالک کی رائے ہے، اِس لیے کہ اُن کے نزدیک اہل مدینہ کے عمل (یعنی رسول اللہ کی سنت) سے اِسی کی تائید ہوتی ہے''۔

امام مالکؒ اُس عمل کو جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جاری فرمایا اور جس پر اہل مدینہ کو چھوڑا، پھر وہ اُس پر کاربند رہے، 'العَمَل' یعنی اہل مدینہ کے عمل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اِس حوالے سے اُن کا اُصول یہ ہے کہ جو حدیث 'عمل اہل مدینہ' یعنی سنت کے خلاف ہو، اُسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ حدیث کی روایت کو وہ سنت پر پرکھ کر دیکھتے ہیں کہ اُسے قبول کیا جائے یا رد کر دیا جائے۔ ابن رُشد کے بیان کے مطابق امام مالکؒ نے اپنے اِسی اُصول کی بنا پر رفعِ یدین کی روایتوں کو قبول نہیں کیا۔ اِس اُصول سے بالبداہت ثابت ہوتا ہے کہ امام مالکؒ حدیث اور سنت کے مابین فرق کرتے تھے۔

امام شافعیؒ کی رائے

امام شافعیؒ اپنی کتاب 'الرِّسَالَة' کے صفحہ ۳۷۳ پر لکھتے ہیں:

تَخْتَلِفُ الْاَحَادِيْثُ، فَآخُذُ بَعْضَهَا اسْتِدْلَالاً بِكِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ أَوْ إِجْمَاعٍ أَوْ قِيَاسٍ۔

''احادیث باہم مختلف بھی ہوتی ہیں، چنانچہ میں قرآن، سنت، اجماع یا قیاس سے اِستدلال کر کے اُن میں سے بعض کو (ترجیح دے کر) لے لیتا ہوں''۔

ثابت ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حدیث اور سنت دو متفرق چیزیں ہیں۔ اُن کے نزدیک اگر یہ ایک ہی چیز ہوتی تو وہ اپنے اُصول میں یہ بات نہیں لکھ سکتے تھے کہ ''میں دو مختلف حدیثوں میں ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے لیے بعض اوقات سنت سے استدلال کرتا ہوں''۔

حنابلہؒ کا موقف

قاضی ابویعلیٰ محمد بن الحسین الفرأؒ پانچویں صدی ہجری کے جلیل القدر علما میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلکاً حنبلی ہیں۔ وہ فقہ حنبلی کے اُصول پر اپنی کتاب 'الْعُدَّة فِيْ أُصُوْلِ الْفِقْه' میں سند کے علاوہ حدیث کے رد و قبول کے اُصول بیان کرتے ہوئے، دوسرے اُصول کے تحت لکھتے ہیں:

أَنْ يُخَالِفَ نَصَّ كِتَابِ اللّٰهِ أَوْ سُنَّةً مُتَوَاتِرَةً۔ (۹۶۴/۳)

''(وہ حدیث بھی رد کر دی جائے گی) جو قرآن کی کسی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو''۔

معلوم ہوا کہ حنابلہ کے ہاں بھی نہ صرف یہ کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا جاتا ہے۔ بلکہ اُنہیں دو مختلف حیثیتوں سے مانا جاتا ہے۔

ائمۂ محدثینؒ کی رائے

اُصولِ حدیث کے امام خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب 'الکِفَایَۃ فِی عِلْمِ الرِّوَایَۃ' میں، جسے اپنے فن میں اُمّ الکتاب کی حیثیت حاصل ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

وَقَدْ یُسْتَدَلُّ أَیْضًا عَلٰی صِحَّتِہٖ بِأَنْ یَّکُوْنَ خَبَرًا عَنْ أَمْرٍ اقْتَضَاہُ الْقُرْآنُ أَوْ السُّنَّۃُ الْمُتَوَاتِرَۃُ أَوْ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی تَصْدِیْقِہٖ۔(۱۷)

''روایت کی صحت تک اِس طرح بھی پہنچا جا سکتا ہے کہ وہ (حدیث) کسی ایسے معاملہ کی اطلاع دے جو قرآن یا سنت متواترہ کا تقاضا ہو، یا اُمت اُس کی تصدیق پر جمع ہو گئی ہو''۔

پھر کتاب کے آخر میں خطیب بغدادیؒ نے 'ذِکْرُ مَا یُقْبَلُ فِیْہِ خَبَرُ الْوَاحِدِ وَ مَا لَا یُقْبَلُ فِیْہِ' کے عنوان سے ایک باب (Chapter) باندھا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

وَلَا یُقْبَلُ خَبَرُ الْوَاحِدِ فِیْ مُنَافَاۃِ حُکْمِ الْعَقْلِ وَحُکْمِ الْقُرْآنِ الثَّابِتِ الْمُحْکَمِ وَالسُّنَّۃِ الْمَعْلُوْمَۃِ وَالْفِعْلِ الْجَارِیْ مَجْرَی السُّنَّۃِ وَکُلِّ دَلِیْلٍ مَقْطُوْعٍ بِہٖ۔(۴۳۲)

''خبر واحد (یعنی حدیث) اُس صورت میں قبول نہیں کی جائے گی، جب عقل اپنا فیصلہ اُس کے خلاف سنا دے؛ وہ قرآن کے کسی ثابت اور محکم حکم کے خلاف ہو، سنت معلومہ یا ایسے کسی عمل کے خلاف ہو جو سنت کی طرح معمول بہ ہو؛ کسی دلیل قطعی (یعنی یقینی دلیل) سے اُس کی منافات (Contradiction) واضح ہو جائے''۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ حدیث اور سنت کے مابین فرق ائمہ محدثین کے ہاں بھی نہ صرف یہ کہ کوئی اجنبی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ جو اہل علم، حدیث اور سنت کے مابین فرق کرتے ہیں، وہی اپنی کتاب میں یہ بات لکھ سکتے ہیں کہ: ''جو حدیث سنت کے تقاضے کو بیان کر رہی ہے، وہ صحیح ہے''۔ اِسی طرح جو شخص حدیث اور سنت کے مابین فرق نہیں کرتا وہ اپنی کتاب میں یہ اُصول بھی بیان نہیں کر سکتا کہ ''وہ حدیث قبول نہیں کی جائے گی جو سنت کے خلاف ہو''۔

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا، وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ.

وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً، وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ.

دین اِس دنیا میں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ یہ ہدایت کیا ہے؟ ہم اِسے کیسے سمجھیں؟ اِس کے لیے آپ ہماری مندرجہ ذیل ویب سائٹس کی مراجعت بھی کر سکتے ہیں:

---

www.al-mawrid.org

www.understanding-islam.com

www.studying-islam.org

www.ghamidi.org

www.khalidzaheer.com

www.monthly-renaissance.com

www.ishraqdawah.com

المورد کراچی کی دیگر مطبوعہ کتب

عروج وزوال کا قانون اور پاکستان __________ ریحان احمد یوسفی

ہم کیسے جییں ؟ __________ ریحان احمد یوسفی

حج وعمرہ (قرآن وسنت اور صحیح احادیث کی روشنی میں) __________ عامر گزدر

مسلمان اور دنیا پرستی __________ ریحان احمد یوسفی

مناسک حج وعمرہ (پاکٹ سائز) __________ عامر گزدر

تہذیبوں کا تصادم __________ ریحان احمد یوسفی

عمرہ کیسے کیا جائے ؟ (پاکٹ سائز) __________ عامر گزدر

ہمارا اخلاقی بگاڑ __________ ریحان احمد یوسفی

صلوٰۃ اللیل ،تہجد ،تراویح ،اور وتر __________ عامر گزدر

آپ کے نام رب کا پیغام __________ ریحان احمد یوسفی

انٹرنیٹ اور ہمارا معاشرہ __________ ریحان احمد یوسفی

وہی راہ گزر __________ ریحان احمد یوسفی

عامر گزدر کا تعلق کراچی شہر سے ہے۔ ابتدائی تعلیم اسکول میں حاصل کرنے کے بعد اُنھوں نے قاری خلیل احمد بندھانی کی زیرِ نگرانی قرآنِ مجید کے حفظ و قرأت کی تعلیم مکمل کی۔ دین کی ابتدائی تعلیم مقامی دینی مدارس میں حاصل کی۔ ۱۹۹۶ء میں جامعۂ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے درس نظامی کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز درس و تدریس اور علمی تحقیق سے کیا۔ ایک سال بنوری ٹاؤن میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔

طلبِ علم کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ادارۂ علم و تحقیق المورد لاہور کے ماسٹرز تعلیمی پروگرام میں شریک ہوئے۔ کورس کے اختتام پر مجموعی طور پر ٹاپ پوزیشن حاصل کی۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۱ء تک ادارۂ علم و تحقیق المورد کراچی میں اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس میں مشغول اور بعض علمی و تحقیقی منصوبوں پر کام کرتے رہے۔

۲۰۱۴ء میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں اسلامی علوم پر غیر معمولی نتائج کے ساتھ اپنا تیسرا ماسٹرز مکمل کیا۔ آج کل اُسی یونیورسٹی کے قرآن وسنت ڈپارٹمنٹ میں اپنے پی ایچ ڈی مقالے پر کام کر رہے ہیں۔

اُصول و مبادی

دین کیا ہے؟
اِسے کیسے سمجھا جائے؟

تالیف
عامر گزدر

المورد، کراچی